

کتابخانه حقوق محفوظ بحق مصنف

نقشہ دوم

علامہ

انتساب

میں اپنے مجموعہ کلام کو اردو زبان کے سب سے بڑے ہمدرد اور سرپرست
اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں نظام دکن کے مبارک و مسعود نام سے معنون کرتا ہوں۔

عدم

قطعہ تاریخِ عجم

(از وجید المورخین، حضرت حاجی سرحدی)

نقشِ دوام آئندہ حسنِ زندگی اسرارِ کائنات کی دلکش مہرِ صدی
 دل کی نظر کا ترجمہ و جدِ آفریں احساس کی زباں سحکایاتِ پیچیدی
 شعر اور فلسفہ کا ہے اک طرفہِ تراج کیا جاننا ہے زندہ جاویدِ عمری
 اردو ادب کو کس نے لگائے ہیں چاند بخشی ہے کس نے شعر کو سورج کی زندگی
 دیکھے ہیں مقامِ علم کے کلام میں کہتے ہیں جنکو عرشِ کبریاں آگہی!

بے ساختہ یہ مصرع تاریخِ ہو گیا

تابندہ بادِ نیرِ لمعاتِ سیدی

فہرست مطالب

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۷	آگہی	۳	قطعہ تاریخ اشاعت
۳۸	دربار اور شاعر	۷	سطور اولیں
۴۱	فن کار	۱۳	اعتذار و اعتراض
۴۲	مصور کا نظریہ	۱۷	التجا
۴۳	مجبوری	۱۸	تشہیر نگاہ
۴۴	معذرت	۱۹	ساقی نامہ
۴۶	ایک دن	۲۲	نعرہ مراد
۴۷	تسل	۲۴	افتتاح
۴۹	وقت کا راگ	۲۵	تبصرہ
۵۱	فریب محبت	۲۶	فلسفہ زندگی
۵۲	ریزہ آفتاب	۲۷	محبت کا گیت
۵۳	سمندر اور آسمان	۲۸	عناصرِ فاستال
۵۳	طنز کا میاب	۳۰	خیمازہ
۵۵	تجربات	۳۱	رنگ و نور
۵۶	منزلِ یقیں	۳۲	ابہرگرم سے خطاب
۵۷	غم محبت	۳۳	مُسرت
۵۹	فلسفی سے خطاب	۳۵	عزم
۶۰	بیاد دل اور کوسار	۳۶	تجدیدِ نشا ط

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۸۹	آہنگ	۶۲	خاموشی
۹۰	معمول حیات	۶۳	بحر کی کہانی
۹۲	ساقی !	۶۵	مراحل حیات
۹۳	سیرِ محشرِ ستار	۶۶	ریخت
۹۸	مندر میں شام	۶۸	”نکمت“
۹۹	صنم خانہ خیال	۶۹	نطقِ ناتمام
۱۰۰	شبِ ماہتاب	۷۰	تاثراتِ گورستان
۱۰۱	مزارِ دوست	۷۱	حادثہ
۱۰۳	گھٹنا	۷۳	کاروبارِ نشاط
۱۰۴	بچے	۷۴	وقت
۱۰۶	سروِ درِوح	۷۵	دورنگ
۱۰۸	خلوتِ حسن	۷۷	”فردِ ناز“
۱۰۹	آفتاب و ماہتاب	۷۹	طلوع
۱۱۰	رات کا فلسفہ	۸۰	منعتی !
۱۱۱	حوادثِ پنہاں	۸۲	جوانی
۱۱۲	بیتے ہوئے { دنوں کی یاد	۸۳	ایک لڑکی
۱۱۳	وہ رات	۸۴	ساوی کے کنارے { ایک شام
۱۱۵	سراپ حیات	۸۶	مزدور
۱۱۸	سکوتِ نیم شب		گیت { کے
۱۱۹	جذباتِ محبت	۸۷	منظر
۱۲۱	ایک لمحہ		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۵۱	راوی کے کناے	۱۲۳	جوانی کا
۱۵۲	عقل و عشق		{ نالاج
۱۵۴	وعوت رنگیں	۱۲۴	وارداتِ شب
۱۵۵	سرِ راجے	۱۲۷	حدیثِ دوست
۱۵۶	خالد !	۱۲۹	وطن کو مراجعت
۱۵۷	راست	۱۳۰	وارداتِ امروز
۱۵۹	رعنا فی خیال	۱۳۱	کوہسار
۱۶۰	جنونی گیت	۱۳۲	یا وِ وطن
۱۶۱	جلوہ مائے رنگارنگ	۱۳۳	دریا
۱۶۳	صحرائے عرب	۱۳۵	{ تارول بھری
۱۶۴	محفلِ شب		{ رات
۱۶۵	لغزشِ گناہ	۱۳۷	پر واز
۱۶۷	تڑکا	۱۳۸	توہمِ دھم
۱۶۸	عبثِ شیانہ	۱۴۰	بہار
۱۶۹	مشاہدات		{ خوابوں کی
۱۷۰	انجام	۱۴۱	{ سرزمین
		۱۴۲	ایک مکتوب
۱۷۱	متشککہ (تغزل)	۱۴۵	شام کو بہار
۲۰۰		۱۴۶	فسردگی
		۱۴۷	رنگِ آفاق
		۱۴۹	بادل
		۱۵۰	وادیِ افلاس و محبت

سطورِ اویس

حسن اتفاق سے میرا مجموعہ کلام بغیر دیباچہ کے
 تلاش ہو رہا ہے۔ دیباچہ میرے عزیز و مکرم دوست
 اور ملک کے مشہور ادیب جناب منصور احمد صاحب کو لکھنا
 تھا، لیکن اُنکے احمال مزاج اور میری عجلت پسندی کے
 تقادم سے یہ کام پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا، لگاؤ نتمق سے لٹا
 کر نیکیے لئے انہیں کافی وقت نہ دینا قطعاً نامناسب تھا
 اور انہیں دیباچہ کیلئے اُنکی خواہش کے مطابق وقت دے کر
 بیٹھ جائیگا کوئی محمل نہ تھا۔ کہ کاپیاں پریس میں چھپ چکی
 تھیں اور ہر مولانا نیاز فتح پوری کی تقریب بھی اُنکی کافر اجرائی
 کی رعایات کو قائم رکھتے ہوئے پیرایہ اعتذار و اعتراف میں
 ظہور پذیر ہوئی، مگر چند دیباچہ کار جانا اتفاق و حالات پر
 مبنی ہے لیکن میں خوش ہوں کہ دیباچہ کتاب میں شامل نہ
 کر لیا وہ ایک منہمک و ستورسار حجازی جو تحت الشعور میں موجود تھا

برے کار کرسی رانا ویا چنگاری اپنی حقیقی روح و مقصد سے
 علیحدہ ہو کر ملک میں اپنی وقعت کھو بیٹھی ہے اور غالباً
 اس وقت طویل و مبسوط دیباچوں کو جو بعض افوات کتاب کے
 مواد سے بھی بڑھ جاتے ہیں کوئی خاص اہمیت نہیں ہی جاتی،
 اور اہل نظر جانتے ہیں کہ جس حقیقی کا حال ذہن و دماغ پر
 اسی وقت کھٹتا ہے جبکہ کتاب کی متاع ادبی کا جائزہ
 لیا جائے پھر اس فرسودہ دیباہی راستے سے الگ ہٹ کر
 ایک جدید شاہراہ پر گامزن ہونا کونسا گناہ ہے اور اگر گناہ ہے
 تو حدیث طلباء و متتبع پسند و ق کی تسکین کیلئے اس گناہ
 کا ذکر نا بھی کیا شدید جہالت ہے

دراصل یہ ہماری تساہل پسندی کا ایک فطری خواصہ ہے
 کہ جو دستور و قواعد ایک دفعہ منقرض کر دیے جائیں ان میں
 حذف و اضافہ اور ترمیم و تبخیر سے کام لینا ہمارے لئے
 ناوانستہ طور پر دشوار ہو جاتا ہے درحالیکہ زندگی کے
 قیام و بقا کا خمیر ہی تغیر و انقلاب ہے اٹھایا گیا ہے

آرٹ اور نغمہ - آرٹ ہماری زندگی
 کا آئینہ ہے اس کے صد رنگ نگار خانے میں ہمارے

ذہنی دجانات اور خیال و عزم کے غیر فانی جیسے ہوتے
 ہیں تخلیقِ آرٹ کی روح و رواں ہے وہ بلیغ اور اچھا
 معانی رکھنے والے کنایات جو ایک فن کار اپنے شاہکار
 میں پیش کرتا ہے۔ ہمارے دل میں بیشمار استفسارات پیدا
 کرتے ہیں ہم اپنے اور ان کے مطابق وہ تغایل خود مرکب لیتے
 ہیں جو ان کنایات سے وابستہ ہیں۔ ایک مصوٰر ایک تصویر
 کھینچتا ہے جس میں ایک محنت کش مزدور گرمیوں کی ہلکتی
 ہوئی دوپہر میں اپنے مہبط کو بند ہوں پر چوچھا اٹھائے جا رہا ہے
 ہے۔ اس تصویر کو دیکھ کر ہمارے ذہن میں عمل کی غیر فسانی
 عظمتوں کے سینکڑوں بلند اور زندگی آموز خیالات پیدا
 ہوتے ہیں کشمکشِ حیات کی حوصلہ آزا اور کڑی منزل
 کے مصائب و حوادث کے درمیان سفر و فتنی کامیابی
 اور غیر متزلزل ولولہ و بہمت کے ساتھ بڑھتے چلے جانا
 زندگی کا نصب العین ہے۔ کردار کی تعمیر کے اس تشریح
 کا مشاہدہ ہمارے قلب و روح میں حرارت کی ایک برقی
 لہر پیدا کر دیتا ہے۔

مناظر کائنات کی معنوی کیفیات کے مطالعے
 اور زندگی کے وجدانگیر نظریات کی تخلیق کے اثرات
 آرٹ میں اجمال و کنایہ سے ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ آرٹ ^{حقیقت}
 فن کار کے ذوقِ حُسن کا ترجمہ ہے جو اپنے حقیقی روپ میں
 اُسی وقت نظر آسکتا ہے جبکہ اُسکی ترکیب میں نہی خطوط و
 رنگات متحامل کئے جائیں جو ناگزیر طور پر لازم ہوں اور کوئی زائد
 عنصر ان میں شامل نہ ہو آرٹ ایک اشارہ ہے اور ایسا اشارہ
 جو خیال و ذہن کی وسیع ترین دسترسوں اور مطالب و معانی
 کی لامحدود پنہاں کشادگیوں کو محیط ہے۔ آرٹ کا ایسی
 غیر ضروری تفصیل سے کوئی تعلق نہیں ہے تخلیقِ حُسن کے
 منافی ہوں اور جن میں کوئی بلیغ اور روان خیز تخیل آخری
 موجود نہ ہو۔ فن کار اپنے شعور احساس کے بلند ترین مقامات پر
 کھڑے ہوا اسکے نقوش میں اُسی سے وقت و نگاہ کے چھانٹا ہوا طوطے ہیں
 اور اس سے خوشنما ہے اور اس کی طرزِ تخیل میں انہیں کو آرٹ کا پیغام
 قرار دیا جاسکتا ہے ورنہ یہ کوئی شاعر یا مصور کسی خاص خیال کی
 تحریک و تبلیغ کو اپنا نصب العین قرار دے کر اُس کو
 اپنی ذہنی کاوشوں کا موضوع بناتا ہے

ایک کچھ فہم نفا د کے داویہ نظر کی طرح پڑھا سنتا
 ہے کیونکہ فنون لطیفہ کی حقیقی عظمت ابھام و تاشے لستہ
 ہے جن کا تعلق ”آد“ سے ہے نہ کہ ”آخر“ سے۔ اردو شاعری
 میں اس وقت پیغام کی تعین کا ایک غلط اسکول کھل رہا ہے
 وہ شعر اچھا اپنا کوئی خاص نظریہ شعری نہیں رکھتے ذوق عام
 کے رجحان کا مطالعہ کر کے اسی کی رو میں بہ جاتے ہیں
 غیر شعوری طور پر وہ ماسٹہ اعلیٰ کر لیتے ہیں جو سرے سے آرٹ
 کے مقصد و مفہوم کے منافی ہو وہ خواہ مخواہ محنت و سرمایہ براتنے لگتا
 ہے مسائل کو مصنوع شعریاتے ہیں گو ان کا احساس
 محنت و سرمایہ کی آویزش اور اقتصاد کی نظم کی کمی نظر سے
 کوئی اثر قبول نہیں کرتا۔ ان کی غلط رویہ اس حقیقت پر
 مبنی ہے کہ ان کے سر میں ”کار آئندہ“ اور ”ٹھوس“ شاعر
 کرنا سوتا سما جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ امتداد و زیادہ کے
 ساتھ بعض اوقات ان کی نگاہوں سے اپنی اپنی نظمیں
 گر جاتی ہیں جو ان کے لئے کسی وقت سرمایہ نادر و مختار
 رہ چکی ہیں۔ درانچا لیکر آرٹ کی عظمت و وقت و ماحول کے

حدود سے بالاتر ہے آرٹ زندگی کا ترجمان ہے اور زندگی
 ہمیشہ نئی اور تازہ ہے۔ کہتے ہیں شاعری ایک جنون ہے
 بوہی سہی! لیکن اس میں شعر کے علیحدہ علیحدہ ذاتی خصائص
 کا نمایاں نہ ہونا مفہمتِ جنوں کی علامت ہے، شعر کو اپنے ذوق
 و نظر کی ترجمانی کرنی چاہئے اور خواہ مخواہ معنی "دیں عمل"
 دینے اور "کوشش کرو، ہمت کرو" کی رٹ لگانے سے احتراز
 کرنا چاہئے، کیونکہ اُنکے یہ کارنامے اپنی جگہ کچھ ہوں شاعری
 سے اُنکو دور کا تعلق بھی نہیں اور آرٹ کا مقام اس سطح
 سے بہت بلند ہے۔

عبد الحمید عدم

اعتراف و اعتراف

(اثر: مولانا ذبیحہ جوری، ایڈیٹر نگار "لکھنؤ")



پنجاب کے مشہور نوجوان شاعروں میں یہ خصوصیت
 غالباً صرف جنابِ عدم کو حاصل ہے کہ وہ بہت دیر میں
 مسدود شہود پر آئے اور بہت جلد لوگوں کے دل و دماغ
 پر چھپا گئے اور یہ اتنی قوی شہادت ان کی شاعرانہ
 تفصیل کی ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے نہ کسی
 مقدمہ کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے نہ کسی تقریب
 تقریب کی

جنابِ عدم کا اصرار تھا کہ میں اُن کے مجموعہ
 کلام پر اپنی تفصیلی رائے کا اظہار کروں اور یقیناً
 خود بھی چاہتا تھا کہ اس حکایتِ حسن و عشق "کوثرے

لئے کر دینے تک بیان کو تارہوں لیکن افسوس ہے کہ
 یہ خدمت اُس وقت میرے سپرد کی گئی جب میں
 تقریباً صاحب فراش ہوں اور دوسری طرف عدم
 صاحب کی عجلت کہ جو کچھ ہوتا ہے ابھی ہو جائے
 اس لئے جو کچھ لکھ رہا ہوں تبصرہ ہے نہ مقدمہ بلکہ
 صرف معذرت ہے، کوتاہی وقت اور ناسازی مزاج کی
 طرف سے اور شکایت ہے جناب عدم کی عجلت پستی
 کی۔

اس وقت ملک میں شعر کی نین جاغیتیں ہیں۔
 ایک وہ جس نے نظم کہنا اپنا شعار بنا لیا ہے دوسری وہ
 جو صرف غزل گوئی پر قانع ہے اور تیسری وہ جو نظم و
 غزل دونوں میں طبع آزمائی کرتی ہے، عدم صاحب
 اسی تیسری جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور حقیقت
 یہ ہے کہ وہ نظم و غزل دونوں خوب کہتے ہیں۔

عدم کے کلام کی رہنمائی جس نے مجھے ہمیشہ
 متاثر کیا جذبات کی بلندی اور زبان و بیانی کی حلاوت

ہے غزل ہو یا نظم وہ ہر چیز کو خاص نظر سے دیکھتے ہیں
 اور ایسے خاص انداز میں بیان کرتے ہیں کہ سننے والے
 کے لئے یہ اتنی یاد و شمار ہو جاتا ہے کہ وہ شاعر کے خیال سے
 لطف اٹھا رہا ہے یا اس کی زبان سے

بعض کا خیال ہے کہ غزل کوئی نظم سے دشوار ہے بعض
 نظم نگاری کو مشکل بتاتے ہیں میرے نزدیک دونوں
 مشکل ہیں اگر محض اکتساب کی قوت سے کام لیا جائے
 اور دونوں آسان اگر فطرت ساتھ دے لیکن فطرت کا ساتھ
 دینا خود اپنی جگہ اتنا دشوار ہے کہ اس وقت ہندوستان
 کے ہزاروں شاعروں میں سے مشکل ہی سے چند ایسے
 نکلتے جنہیں ہم فطری شاعر کہہ سکیں۔

عدم صاحب کو فخر کرنا چاہئے کہ ان کی جگہ انہیں فطری
 شعرا کی صف میں ہے نظمیں مختلف عنوانوں پر لکھی
 گئی ہیں اور ہر عنوان کی پوری رعایت کا انہوں نے لحاظ
 رکھا ہے اصل مقصود سے غیر متوازن خیالات انہوں نے
 کسی ایک جگہ بھی پیش نہیں کئے اور نظم کی سب سے

بڑی خوبی پی ہے کہ خیال و زبان دونوں مربوط و مسلسل
ہوں۔

اُن کی غزل میں غالباً مومن اور تیرتینوں کا
رنگ ملا ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ کامیابی
ایک غزل گو شاعر کی اور کیا ہو سکتی ہے۔ افسوس ہے کہ
تنہائی وقت اس سے زیادہ کہنے کی اجازت نہیں دیتی
ورنہ جنابِ عدم کے کلام کا انتخاب پیش کر کے میں اس
اجمال کی تفصیل بھی بیان کرتا اور تمام اُن محاسن پر نگاہ
ڈالتا جنہوں نے مجھے اُن کے ذوقِ سخن کا گرمیہ دینا
رکھا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِخْتِبَار

دیا ہے نطق تو پھر نطق کو یوں بیکار کر دے سخن کو روح کی گہرائیوں کا ترجمان کر دے
 نگار کھتی ہے یہ کیا، ہلکی ہلکی آگ سینے میں عطا کر روح کو تسکین، یا آتش بجاں کر دے
 وہ محسوسات کا تشککہ کہتے ہیں دل جس کو ذرا اُس کی حرارت کو محیطِ جسم و جاں کر دے
 وہ گہرے راز جو شاعر کے دل پر کھلتے رہتے ہیں کسی صورت انہیں مانوس ادراک جہاں کر دے
 رموزِ زندگی سے اگلی بخشی ہے گر مجھ کو ! تو اُسکے ساتھ تجدیدِ زمین و آسمان کر دے
 نہیں حاصل اگر کچھ بھی مرے سوزِ محبت کا تو لے خلاقِ دردِ عشق تکمیل زیاں کر دے

سرا پا در دہول اور درد کی قیمت نہیں کچھ بھی

مری محرومیوں کو صرف مرگِ رائگاں کر دے

تشہیر نگاہ

مری نگاہ کی تشہیر ہے کلام مرا
 ہے اک مرقعِ مسوائی دوام مرا
 جہاں گئیں میں نگاہیں گیا ہے دل بھی مرا
 کہ ساتھ ساتھ نظر کے رہا ہے دل بھی مرا
 نظر نے سجدہ کیا ہے تو دل نے دیکھا،
 کسی کا نام لیا ہے تو دل نے دیکھا،
 کیا ہے آہ مگر طُہمِ ناروا دل نے
 سنا دیا ہے فسانہ نگاہ کا دل نے
 یہ شعر عکس ہیں صد رنگِ جلوہ کا ہونکس
 نقوشِ پابیں مری حُسن میں نگاہوں کے

ساقی نامہ

اٹھی ہیں گنگھمور گھٹائیں اوڑھے ہوئے مُستی کی روئیں
 کیف کی لہریں ہیں کہہ جائیں بہکی ہوئی ہیں مست فضا میں
 چرخ پہ بدلی گھوم رہی ہے رُوح نشے میں جھوم رہی ہے
 مَن میں ترنگ جاک اٹھی ہیں شوخ منگیں جاگ اٹھی ہیں
 ساقی تیرے نام کے صدقے تیرے فیض عام کے صدقے
 تیرے سر کی خیر ہو ساقی تیرے گھر کی خیر ہو ساقی
 مستوں کو راک جام پلاؤ صہبائے گلغام پلاؤ

لیکن میرے پیارے ساقی میری آنکھ کے تارے ساقی

مغرب کی مے مجھ کو نہ دینا وہ جھلک تھے مجھ کو نہ دینا

میں تو شراب حجاز پیونگا بادۂ حساء ساز پیوں گا
 جو دل سے ہر خوف مٹا دے جو دل کو بیباک بنا دے
 جس کو پنی کر لہرا جاؤں سیلِ حوادث پر چھپا جاؤں
 وہ مے جس میں عشق کی جاں ہے شعلہ جاں فروز نہاں ہے
 وہ مے جس میں نورِ یقیں ہے وہ مے جس میں عرشِ بریں ہے
 روح کو حدت دینے والی! دل کو شجاعت دینے والی
 وہ مے جس کا پہلا ساقی سارے جہاں کا محسنِ مادی
 سب سے بڑا انسانِ ساقی دُنیا کا ایمان ہے ساقی
 اس ساقی کی صہبائے لا دے! ایماں کو پروان چڑھا دے
 وہ مے جس کا کیف ہے محکم جیسے عمل کی سیبت ہے محکم

وہ جس کے پینے والے یعنی ابد تک پینے والے
 موت سے سنس کر رہا ہے میدانوں میں اڑھاتے ہیں
 چنکے چہرے فوراً بھرے ہیں چنکے کاروبار کھرے ہیں
 انکی بچی بچائی دے دے انکی رکھی رکھائی مے دے
 ساقی تیرے نام کے صدقے تیرے فیض عام کے صدقے

میں تو شراب حجاز پیونگا

بادۂ حناء ساز پیوں گا

(۲)

اٹھائے ساقی انٹے میں ٹوب کرستی سے لہرا کر تڑپتی بجلیوں کا خون لا افلاک سے جا کر
 ستاروں کی سنہری تابثوں کو جام میں بھر لا سرورِ ماہ طلعتِ بادۂ گلہام میں بھر لا !
 اٹالا آگ خورشید جہاں افروز کے دل کی چڑا لا بنم گردوں سے جوانی ماہِ کلل کی !

افق کے آتشیں جلوں کو تحلیل ساغر میں فروزاں کشفق کے نور کی قندیل ساغر میں
 طلسم آب گل کو منتقل کر دے حقیقت میں بلا دے حسن رنگا رنگ کو انوار وحدت میں
 نگاہوں میں مئے عرفاں کا کیفِ سردی بھرو اٹھا دے سامنے سے نیلیگوںِ فلاک کے پردے

بیاں معرفت لا اور پہنا دے مجھے ساقی !
 اُو مہیت کے میخانے میں پہنچا دے مجھے ساقی

لعرۂ مردانہ

ڈراتے ہو کسے تم صبرِ پیا امتحانوں سے بلا کا سامنا ہے کبیل کرنا سخت جانوں سے
 پھر کتنی آگ کے شعلوں کی رُوحوں کو جسدِ دیگر بنایا ہے خُلائے مردِ غیرت مند و غیرت و
 تماشا کر چکا کوہِ عِسم اپنی ناتوانی کا ! کہ تھم سکتا نہیں قَواجِ دریا زندگی کا !
 سکھایا ہے مجھے فطرت نے جینے کیلئے مرنا ہو سے اپنے نخلِ زندگی کی پرورش کرنا

صعوبت کا سمندر میرے انتغاسے واقف ہے مری ہمت میرے جوش بے پرواسے واقف ہے ✓

مروٹی بار بار میں نے کلائی نجاتِ واژوں کی ہوئیں غیرت کے اکثر مشتعل موجیں محالِ نحوں کی

برسینے میں پس کر رہ گئے پتھرِ مصائب کے مری نظروں سے یکدم چھٹ گئے بادلِ نوائے کے

مری قوت کا غلبہ مشکلوں پر چھا گیا اکثر! کہ کتنی بجلیوں کا حوصلہ خم کھا گیا اکثر!

مزارِ تیرگی ہے روشنی میری نگاہوں کی! مری آنکھوں نے ظلمت چوس لی تاریک ہونکی

سنا ہے مجھے راحت کے نغمے شورِ طوفان کا! گرج ہے بادلوں کی یا ترانہٴ رُوحِ انساں کا

جھلکتی ہے مری تسکینِ شہیروں کی تابش میں بلی ہے انجمنِ آلام کے تیروں کی بارش میں

وہ ذی ہمت ہوں ہر شکل میں خود مشکلا کشا ہوں میں

مرے رتبے سے تم واقف نہیں شہرِ خدا ہوں میں!



فتاح

ہماغر کو چومتی ہے کرن آفتاب کی
شبنم نہیں، نوا ہے سحر کے ریاب کی

ساتی تو اپنی زلف جنوں خیز کو جھٹک !

و نفوں میں گم ہو گیت کی مٹے جاگ اکی گھٹک

آنکھوں نہیں رہی ہو شریک کی جھٹک

تیرے ہر اک نفس میں مہکتے گلاب کی

صحنِ چمن میں نہایت فانی بھی جاگ اٹھی

بادِ سحر کی عطر فشانی بھی جاگ اٹھی

بربط اٹھا کہ دورِ زماں سازگار سے

شیشے میں ہے مئے کی رگوں میں بہار

ساغر نہیں حیاتِ ابد کا دیار سے

جاگا ہے آفتابِ جوانی بھی جاگ اٹھی

تبصرہ

سحر کی طرح خنک اور جانفزا ہو تم! کہ اک مجسمۂ نکہت و ضیا ہو تم!!

مرے شباب کی شیریں مسرت راتوں کا کوئی سرورِ دل آویز و جانسزا ہو تم

لگھنی بھویں میں تمہاری درازِ پلکیں ہیں کہ جی سینِ مصور کی اختیا ہو تم!

تمہارے نازک باریک لب ہیں پر پوئے طلوعِ ماہ سے پتھو نگا میں کہ کیا ہو تم

تمہاری آنکھوں سے یوں جھانکتی ہے سیوفی کہ جیسے جسم کے بربط میں اک نوا ہو تم

یہ ایک لمحہ تمہارا ہے زندہ جاوید اس ایک لمحے میں آئینہ بقا ہو تم
 اس ایک لمحے میں آئینہ بقا ہو تم اس ایک لمحے میں دنیا سے ماورا ہو تم

لیٹ رہی ہیں نگاہیں تمہارے قدموں سے
 میں کیا بتاؤں تمہیں جان من کہ کیا ہو تم

فلسفہ زندگی

خاک کے سینے سے اُٹھتا ہے بگولہ جوش سے ایک جدی حرارت اک جنوں ناز جوش سے
 اور کراہتا ہے تسلیم اپنی ہستی کا وقار خاک کے ذروں میں بھی ہے زندگانی کا شرا
 ایک قطرہ جھجھوم کر مستی میں کھا کر تیج و تاب سطحِ دریا پر پیدا دیتا ہے اک سمیں حباب
 اک حباب اک ولولہ آرا حبابِ زندگی ایک ننھا سا درخشاں آفتابِ زندگی
 دیکھنے والے کے دل میں جس کی عظمت کلینال ثبت ہو جاتا ہے بن کر ایک نقشِ لازوال

تو بھی تعمیر اپنا ایسا لمحہ جاوید کر دیکھ لے جس میں زمانہ تیری ہستی کا نثر

ہے عمل کے ہر دقیقے میں ثباتِ جاوداں

ثبوتِ یک لمحہ بھی ہے اک حیاتِ جاؤاں

محبت کا گیت

تمہارے روح میں کھٹتے ہو پیر کی نیائی

نشاۃِ عمر میں ڈوبی ہوئی صورت کی رعنائی !

نگاہوں کی جوان نگاہیں ! باتوں کی شیرینی

تبسم کے جلو میں چاندنی راتوں کی شیرینی !

سُبک رفتارِ ملکیت بیزر اسوئی فوں کلاہی

نفس کے تار میں اُلجھی ہوئی جان بخش موسیقی !

مرے روشن خیالوں کے یہ وجدان گیز غنصر میں

جہاں آوارہ بیتاب ہے مراد دل پر وہ منظر میں !

نصویر میں حقیقت کی رتق کا جلوہ گر ہونا

نہیں ممکن تو کیا ہے میرا اپنے آپ سے کھوتا

مرے جذبات کی گہرائیوں میں درد کس کا ہے مری وحشت مری بڑھتی ہوئی وارفتگی کیا ہے
میں خود کم ہو گیا ہوں اپنے نورانی خیالوں میں محبت جلوہ گر ہے میرے نورانی خیالوں میں !

منور ہے مری دنیا تمہارے روئے روشن سے تمہاری سانس میں معنی ہی میری دل کی ہر کن سے
مرے روشن خیالوں میں محبت کا اُجالا ہے
مری دنیا کو تم نے نور کے سانچے میں ڈھالا ہے

عناصرِ داستان

مرے فسادِ وارستگی کی جاں ہو تم میں داستان ہوں خلاقِ داستان ہو تم
یہ داستانِ محبت جو چھپر بیٹھے ہو ! خبر بھی ہے کہ خود اس داستان کی جاں ہو تم
مجھے مٹائیے گو کام ہے تمہیں شبِ روز مری تباہی سے ہر چندِ اداں ہو تم

معاملاتِ محبت کو کھیلِ مست سمجھو کہ کچھ بھی ہو مگر اب میرے ہم عمل ہو تم
 تمہارے حُسن کی فطرت کا آئینہ بنو نہیں مرے جنوں کی حقیقت کے ترجماں ہو تم

حیرمِ روح میں ہے چاندنی سی پھیلی ہوئی مرے حواس میں مانندِ بونہاں ہو تم
 مرے خیال کی رعنائیوں کا مرکز ہو مری نگاہ کا اک خوابِ نو جواں ہو تم
 چدرنگہ اٹھاتا ہوں دیکھتا ہوں تمہیں مری نگاہ کے پردوں میں ضوِ فشاں ہو تم
 مری بہارِ و خزاں سے تمہارے ماٹھو میں کہ قدرِ تارِ مری قسمت پر حکمراں ہو تم

یہ حیات کے کس گھاٹ اُتارنا ہے مجھے

مرے سینہء دل کے سینہء رال ہو تم

خمیازہ

بڑی اُمنگ سے چھیڑا تھا تم نے ساد مرا بڑے مزے سے سُنا نغمہ نبیاب مرا
عجیب شے تھی مگر سادگی محبت کی! کہاں ہے آہ وہ نا آگہی محبت کی
خبر نہ تھی تمہیں انجام کا کیا ہوگا مالِ جرات بے اختیار کیا ہوگا

اب اجتناب ہے، تم کو مری محبت سے گریز کرتے ہو تم میرے دل کی وحشت
تو ہے یوں بھی کبھی جانِ من نہ مانے میں یہ رنگ بھی ہے وفا کے کسی فسانے میں!
یہ ربط لائے دل آویز جاودانی ہیں! تعلقات محبت کے غیر فانی ہیں!
فتنا پذیر نہیں الہابِ عشق مرا!! خموش ہو نہیں سکتا رباِ عشق مرا

یہ ساد چھیڑ دیا ہے تو اب سُنو اس کو

نہیں طلب نہ سہی بے سبب سُنو اس کو

رنگ و نور

رنگوں کے جلوں برق کی دعا اور برق کی رو میں تھی ہر
اے حسن جوانی کے پیکر ہستی بھی تیری کیا ہستی ہو

ہر سانس میں ہے اندازِ جنوں باوصفِ سرور و کیفِ فزوں
یا ٹھنڈی ہوا کی موجوں میں آ میرِ شِ نکتہ مستی ہو

رفتار وہ جسمیں غلطاں ہے گھنگھٹو گھٹاؤں کا موسم
گفتار وہ جس سے ختم ختم کر صہبا کی روح برستی ہے

بے اٹھنا کی لچک میں ہستی ہو رہ کے نزاکتِ کلیوں کی
کلیوں کی نزاکت رہ رہ کر اعضا کی لچک میں ہستی ہے

غنجے سے چپکتے ہیں سہمِ ادراک کے نازک شیشے میں
ہے تیری نظر اے جانِ عدم یا شعر و ادب کی لہری ہے

ابرارِ کم سے خطاب

کس مقدس میکے سے جھوم کر نکلا ہے تو کوئی گنگالی چوکھٹ پُوم کر نکلا ہے تو !
 آ رہا ہے کس ادا سے کیف برساتا ہوا ! ایک پرچم کی طرح بیتاب، لہراتا ہوا !
 غرق ہے کس کیفِ روحانی میں ابرارِ کم محو ہے کس فکرِ نورانی میں اے ابرارِ کم

ڈھونڈ کوئی پاک دُنیا اپنی اُلفت کیلئے مُنتخب کئے وہ زمیں بارانِ رحمت کیلئے
 جس جگہ بھٹکی ہوئی انسانیت آباد ہو ! جس جگہ انسان کا ٹوٹا ہوا دل شاد ہو !
 یہ جہنم زار اس الطاف کے قابل نہیں رحمتوں کی حسنِ بارش ہو یہ وہ منزل نہیں
 یہ درندوں کا جہاں یہ وحشیوں کی کائنات خونِ آسمانوں کی بستی، غاصبوں کی کائنات
 جس جگہ مذہب فروشی کا لقب رہبری جس جگہ ہے کارِ فرما زہد کی جادوگری
 پیڑ لیوں تک خرقہ زہد و ورع آیا ہوا اور آنکھوں میں رعونت کا نشہ چھایا ہوا

داڑھیوں میں معصیت کی تیرگی گونہی ہوئی راہبانہ شکل و صورت ترس میں ڈوبی ہوئی
معصیت کو نشی کے پیکر، نفس سرکش کے مُرید خُلد کے تاجر، خدا کو بیچنے والے پلید!

آہ یہ دُنیا جہاں خوفِ خدا کوئی نہیں فاقہ کش مزدور کے خوں کی بہا کوئی نہیں
جس جگہ سرمایہ داری کا لقب تہذیب ہے جس جگہ کُتوں کی عفت خطبہِ نادید ہے
راتِ بچوانی سے کُشتی ہے جہاں انسانکی گل رہی ہیں ہڈیاں انصاف کی ایمان کی

اس زمیں پر سانپ اور آژدر برسنے چاہئیں

برق گرنی چاہئے، پتھر برسنے چاہئیں

مُسَرّت

آ رہی ہے تجھے ہنسی ساقی مُسکراتی ہے یا خوشی ساقی !

پھول سنہتے ہیں تیری زلفوں میں جام ہنستا ہے تیرے ہاتھوں میں
 ہنس رہی ہے شراب شیشے میں پر تو ماہتاب شیشے میں !
 مے کی ہر لونڈ کھلکھلاتی ہے بوئے عنبر بھی مسکراتی ہے
 شوخ نظریں ہیں کچھ عجیب پر ہے تبسم نگاہ کے لب پر !
 کھلکھلاتا ہے صحن گلشن سب خندہ زن ہے چین کا جو بن سب
 آج مدت کے بعد اے ساقی ہنس رہی ہے ہر ایک شے ساقی
 دل میں کب یہ خوشی سماتی ہے بے تکلف ہنسی سی آتی ہے
 وقت بھی چھوڑ کر متانت کو تھام کر دامن مسرت کو !
 ہنس رہا ہے عجیب حشکے قہقہہ آفریں ظرافت سے !

تیری چشمِ کرم سے شہِ پاکر

میرا دل بھی ہنسا ہے لہرا کر

عزم

میں اپنے ساز کی موسیقی میں خود بھی گم ہو جاؤنگا!

کیا جانے آپ کہاں ہونگا جب تم کو گیت سناؤنگا

گیتوں کے بھنور میں پھنس جائیگی آپ کے دل کی کشتی بھی

میں اپنی روح کے ربط سے ایسے طوفان اٹھاؤنگا

دیوانہ و وحشی ہوں یعنی تو قیر جنوں ہے فرض میرا

میں اپنی جان گنواؤں گا اور عشق کی خیر مناؤں گا!

میں اپنی روح کے پیاسے میں ٹیٹھکے اُکدن چھپکے سے

اس حص وہو کی بستی سے اُس دیس کی جانب جاؤنگا

تم میری روح کے تاروں کو پھیر تو سہی دیکھو تو سہی

گیتوں کا بگولا سا بن کر تاعرش بریں اڑ جاؤں گا

میں عشق کا پروردہ ہوں عدم ہر عزم مرا لافانی ہے!
میں موت سے کیا ختم کھاؤں گا میں موت پر بھی چھا جاؤں گا

تجدیدِ نشاط

بیٹھا ہوں مست ساغرِ صبا پیے ہوئے لمحاتِ زندگی کو درخشاں کئے ہوئے
ساقی ملا کے ہے میں بہارِ اورچاندنی! آج شبابِ ساغرِ دینا لے ہوئے
دلفیوں کو کھولنے کے فس نے بھیر دے تخلیقِ حُسن و نعمہ وروماں کئے ہوئے
مَدّت ہوئی ہے حسبِ تمنا جتے ہوئے عرصہ ہوا ہے دادِ جوانی دیئے ہوئے
وہ دیکھ اٹھا ہے ابر سر کو ہمارے خوابوں کے جالِ فروز و مہند لکے لئے ہوئے
مُحمورِ لگی کے جنوں خیزِ برگ و ساز رنگینِ لغزشوں کے فسانے لئے ہوئے
بربطِ چراغ، تکہت وئے، عنبر و عبیر ہر برگ و سازِ حسن و جوانی لئے ہوئے

موج نسیم کان میں کچھ کہنے آئی ہے اُمڈی ہوئی گھٹاؤں کا ابا لے ہوئے
 ساتی چھڑک شراب مری ہر اُمنگ پر ہر خام و سو سے کو پیشیاں کئے ہوئے
 تیرے کرم سے آج تو واپس میں پھر دوں
 وہ غم مجھے زمانے نے جو ہیں دیئے ہوئے

آگہی

ہمنشین ہر انکشافِ تازہ ہے اک از تو یعنی ہر انجام میں پنہاں ہر اک آغاز تو
 ہر حقیقت سے شناسائی کا مفہوم ہے اک حقیقت اور ابھی اظہار سے محروم ہے
 عقل کی تسکین کسی تدبیر سے ہوتی نہیں سیر یہ اوام کی تعمیر سے ہوتی نہیں!
 ٹوٹے رہتے ہیں عقلوں کے فروباہِ حجاب زلیست کے رازوں کا دریا ہو حجابِ حجاب
 اپنی حیرانی کی خود اک داستاں ہو آگہی! یعنی انفسارِ دائم کی زباں ہے آگہی!

دریا اور شاعر

دو پہر کا وقت ہے ارض و سما خاموش ہیں
 جانور بھی دامنِ اشجار میں رُپوش ہیں
 زندگی کے مشغلوں میں ایک وقفہ آگیا!
 ایک بیک معمورہ عالم پر سکتہ چھا گیا!
 جھلملاتا ہے فضاؤں میں خموشی کا فصول
 چونک اٹھی ہر شور و شوش کی بزم میں روحِ سکوں
 بر رہے کتنی بیتابی سے دریائے جمیل
 کس قدر شقائق ہر قطرہ کی دنیائے جمیل
 کر رہا ہے قہرِ نورانی شعاعوں کا جمال!
 جلوہ گر ہیں عالمِ امکان میں شاعر کے خیال
 کیا حیاتِ آموز ہے ہر و لگا جوشِ اضطراب
 بچ رہا ہے محفلِ دریا میں وحشت کا باب
 ایک بیک اُٹھتی ہے اک موجِ نوائے دلشائیں
 جذب ہو جاتا ہے دل میں جن حُسنِ سنائیں!
 بولتی ہے روحِ دریا اے پریشان خیال
 ڈھونڈتی ہے فکرِ جگر کی ہر فلسفے کا مال!
 آشنا ہیں تیرے محسوساتِ لازِ زیست سے
 گرم ہے کیا تیرا سینہ بھی گدازِ زیست سے
 کھول مجھ پر بھی ذرا انساں کی تہمتی کے مونہ
 مجھ سے بیگانہ ہیں اب تک فُوقِ مستی کے رموز

بے بہا ہے زندگی کا ایک اک لمحہ مگر! دیکھ انسان سو رہا ہے دو جہاں سے بے خبر

کچھ بتا مجھ کو بستر کو کس طرح آتی ہے نیند!

موجودیت ہوں کہ زندگی پر بھی چھا جاتی ہو نیند

دل تڑپاٹھتا ہے اس غلبی نلکے سونے سے بکلیاں گرتی ہیں آوارہ جنوں افروز سے

آتشیں جذبات اٹھتا ہے حسرت کا دھواں اور زبانِ قلب یوں ہوتی ہے مصروفِ فعال

لے کہ تیرا پیکر سیمیں ہے سرشارِ حیات مسکراتے ہیں ترے دامن میں انوارِ حیات

عشرتِ دائم سے مالا مال ہے محفلِ تری ڈاس میں پرچت سیال ہے محفلِ تری ڈ

سبزہ زاروں کی بہاریں تجھ پہ ہوتی ہیں نشا تجھ پہ برساتی ہے رنگ و نورِ شام پر بہار!

چومتی ہے تیری پیشانی کو صبحِ مہ جبین طائرؤں کا میکہ ہے تیری سطحِ مہر میں

رات کو بجتے ہیں گردوں پر ستاروں کے باب ڈالتا ہے عکسِ تیرے دل میں جامِ ماہِ تاب

سرخوشی سے جگمگاتے ہیں تیرے دل اور رات تو سمجھتا ہے کہ نعمتِ ناز ہے بزمِ حیات

تجھ کو اپنی زنگ ریلوں سے نہیں حاصل فراغ
تجھ کو کیا معلوم انسانوں کے دل پہنچ داغ

بندا بھی ہوتی نہیں میرے تجیل کی زباں !
ایک مٹہم گونج جی ہوتی ہے پیدا روح میں
نملما اٹھتی ہے دیبا کی سماعت ناگہاں !
کھنچ کے آجاتا ہے سوزِ قلبِ دیارِ وح میں !
گوشتِ دل میں یہ نہ آتی ہے اے کوئے نظر
دیکھ چشمِ غور سے موجوں کے سینے چیر کر
صاف آئینے نظر تجھ کو مرے داغِ جگر
سینکڑوں محروح امیدیں ہیں دل میں شکبا
صبح پی جاتی ہے میرے سامنے تاروں کا فوں !
دیکھ زخموں کے نشان ہونگے ابھی تاکِ شکار
رات کی دلدوز تار کی کاوشی ارتعاش !
تھر تھرتا ہے ابھی تک ہن میں سکا خیال
کستور و حشتِ فزائی دہ بظلمت کا جلال

گو بجتی ہے میرے کانوں میں صد براقِ باد کون کر سکتا ہے فطرت کے جنوں کا انسداد
 گو مرے سینے میں جذباتِ حریز کا جوش ہے قطرے قطرے میں جہنم کی تپش روپوش ہے
 ایک لمحہ عمر کا پھر بھی نہیں وقفِ مال ! دیکھ میری فطرت آزاد میں شانِ کمال !

زندگی کا راز کیا ہے؟ نبضِ بہت کی دھمک
 گو کلیجہ شوق ہو لب پر ہو تبسم کی جھلک

فن کار

نہ جا ان بے سرو سامان انسانوں کی حالت پر
 کہ سروِ جنتی ہیں عقلیں دو جہاں کی انکی وحشت پر
 فرو تر ہے جہاں کی ہر بلندی ان کی رفعت سے
 ازل سے مانگتا ہے بھیک وقت انکی لیاقت سے

ہیں ان کی انگلیوں پر حال روشن نہیں قدرت کے
 جھکے رہتے ہیں ان کے پاؤں پر اسرار فطرت کے
 یہ وہ ہیں خندہ زنِ خوفِ فنا پر جن کی ہستی ہے
 حیاتِ جاوداں ان کے تعارف کو ترستی ہے

مُصَوِّر کا نظریہ

رنگوں کو جان دینی میں ملایا ہے بارما	افدیک پر بہار بنایا ہے بارما !
نغموں کے ہنزار کی تصویر کھینچ کر	موسیقیوں کا قصہ دکھایا ہے بارما
پیدا ہوئی ہے بطور دل میں جو راگنی	رنگوں کی لے میں سکون بنایا ہے بارما
ساکت مجسموں کو عطا کی ہو زندگی	تخلیق کا کمال دکھایا ہے بارما
پیشگی ہے موقلم سے مری وقتِ نظر	روحوں کو بے حجاب دکھایا ہے بارما

راتوں کو اپنے ذہن کی تصویر کیلئے اور اک کا چرخ چلایا ہے بارہا !
 سہرا دک و لطیف تاثیر کو اسے ندیم صورت پذیر کر کے دکھایا ہے بارہا
 ملتی نہیں ہے تھاہ مگر اپنے ذوق کی گودل کی تشنگی کو بجھایا ہے بارہا
 فنِ لطیف کوئی بھی ہونا تمام ہے
 اور ناتما میوں سے ہی سکودوم ہے

مجبوری

موج دریا اڑتے تاروں تک پہنچ سکتی نہیں آسمان کے جلوہ زاروں تک پہنچ سکتی نہیں !
 اور تار سے اپنی رفعت سے اتر سکتے نہیں جو بباروں سے لپٹ کر قفس کر سکتے نہیں !
 دشت دریا کی طرح طوقاں اٹھا سکتے نہیں اور دریا بحر کا نعمت سنا سکتے نہیں
 بحر حسب آرزو انگرانی لے سکتا نہیں اور گر جتنے بادلوں کا ساتھ دے سکتا نہیں

بجلیاں توں قزح کو جذب کر سکتی نہیں اپنے نورانی جسد میں رنگ بھر سکتی نہیں
 شمع کے دل میں ہے ذوق گفتگو محشر طراز انکشافِ دردِ دل کی آرزو محشر طراز
 آسمانِ آتشِ بجاں ہے لب ہلانے کیلئے عہدِ پارینہ کے افسانے سنانے کے لئے
 اور زمیںِ بقیاب ہے پہلو بدینے کے لئے مدتوں کے رازِ سر بستہ اُگلنے کے لئے
 الغرض ہر روح میں اک پہلی ہے صبح و شام ایک سوزِ ناکمل ایک دردِ نامتَم
 بے بسی کا دام ایسا ہے کہ کٹ سکتا نہیں
 سنگِ مجبوری ہستی سمجھ سکتا نہیں!

معذرت

اگرچہ ختم اب ہر امتحاں ہے وہ مجھ سے ملتفتِ مہرباں ہے
 مگر دل کے نہفتہ غم ہیں زندہ

میں کیسے بدگمانوں کو مناؤں میں اُسکے سامنے کسٹھ سوجاؤں

کہ اُن بھبر کی خاطر جہاں میں رہا ہوں مبتلا رنج گراں میں

بڑی رسوا بٹاں دیکھی ہیں میں نے

وہ مجھ سے بات اگر کوئی کرے گا مرے دل کی خوشی کا دم بھرے گا

تو میں خاموش اور ساکت ہوں گا نہ کچھ بھی اُسکی محفل میں کہوں گا

نہ لے جا مجھ کو اُس کی انجمن میں

مرا مقصودِ الفت ہے وہ اب بھی مرا معبودِ الفت ہے وہ اب بھی !

میں اُس سے دُور ہی لیکن ہوں

کہ میری روح میں بسا خلا ہے جو پڑھنے سے شاید ماوراء ہے

نہیں ہے بولنے کا مجھ کو یارا ! کہ میرا دل ہے غم سے پارا پارا

خوشی بن گئی ہے اب میری خو

مری آواز میں پنہاں ہیں آنسو

ایک دن

نظر آتی نہیں آوارہ گھٹائیں آسمانوں پر
 خموشی کا فسوں چھایا ہوا ہے بوستانوں پر
 سُبھانی دھوپ کا اُک سیلِ فرحتِ خیز جاری ہے
 مناظرِ جگمگاتے ہیں نظرِ کَیف طاری ہے
 پرندے تیرتے پھرتے ہیں ستارہ ہواؤں میں
 مُسرت جھومتی ہے جنگلی جانِ اُداؤں میں
 درختوں کا گھنسا سا ہے دریا کا کنارہ ہے
 رنگا ہوں میں ترنم آفریں موجوں کا دھال ہے
 ہوائیں گنگناتی ہیں فضا میں لہلہاتی ہیں
 درخشاں ادیاں مشتاق آنکھوں میں کاتی ہیں
 فلک اکسے ہے نظائے کی محویت طرازی سے
 حسینِ فطرت کی پُرافسوں کشش سے دلنوازی سے
 فسوں زندگی ارزاں و لکشنِ سبزہ نازوں میں
 بہارِ تحریرِ قصاں ہے رنگیں جلوہ زاروں میں

یہ منظرِ روح کو مسرورِ دل کو شاد کرتے ہیں !

بشر کے ذہن کو افکار سے آزاد کرتے ہیں

تسلسل

کبھی تھے اسطرح شیر و شکر ہم آپن میں میں اُنکے بس میں تھا اُسے دُور سے وہ سب میں
اُنہیں محبت صدق جانتا تھا میں ! اور اُن کی بات کو ابھام مانتا تھا میں !
میری نگاہ کا معبد تھے بام و در اُنکے علی الصبح میں جاتا تھا روز گھر اُنکے
وہ مجھ کو دل سے بہر دل سے پیار کرتے تھے بڑی لگن سے میرا انتظار کرتے تھے !!

پہر اتفاق سے برہم وہ سب نظام ہوا اُس ابتداء نے محبت کا اختتام ہوا !!
دو ٹوئین میل سی کچھ رفتہ رفتہ آہی گئی !! خلوص و صدق کو اک بدطنی سی کھا ہی گئی !
کہاں وہ جوشِ محبت کہاں وہ پیارِ ندیم ہے اب یہ حال کہ ملنا تو درکنار ندیم !
نہیں ہے ذکر بھی اک دوسرے کا ہم کو پسند

میں سوچتا ہوں وہ پہلی محبتوں کا عروج اور اُسکے بعد المٹنا کہ نفرتوں کا عروج !
تو دل کو چوٹ سی لگتی ہے رنج ہوتا ہے کہ جیسے رُوح میں نشتر کوئی چھپوتا ہے
دُورِ غم سے مری کچھ عجیب حالت ہے کہ اُن سے اب مرے مجروح دل کو نفرت ہے
دکھائے ہو کہ فطرت کا یہ تقاضا ہے !!! پر اب بھی آکے اگر کوئی یہ سنا تا ہے
علیل ہیں وہ طبیعت ہے مضمحل اُن کی تو بھڑول جاتا ہے سب سے وفائی دل اُن کی
میں سوچتا ہوں عیادت کے واسطے جاؤں اک اجنبی کی طرح جا کے حال پوچھ آؤں
یہ سوچتے ہی مگر بھر خیال آتا ہے !!! جو میرے عزم کو اک ٹھیس سی لگاتا ہے

ہے دل اگر چہ سراپا اُداس کیوں جاؤں

میں اُس عدوئے محبت کے پاس کیوں جاؤں

وقت کاراک

جب سے میں نے آنکھ کھولی ہے فضائے دہریں

ایک لافانی سفر پیش ہے شامِ سحر!
جا رہا ہوں اپنے مقصودِ سفر سے بے خبر

اور بھی ہیں قافلے میری طرح گرم سفر

ہیں ستارے بھی رواں اپنے دیاروں کی طرف!
گم شدہ ارضِ وطن کے خلد زاروں کی طرف!

اور انسان بھی ہیں ذوقِ جستجو سے بقیار

تھک کے گوستے میں گہری نیند سوجاتے ہیں یہ
موت کے خاموش ویرانے میں کھو جاتے ہیں یہ

آہ انساناں یہ سمجھتے ہیں کہ سب کچھ وقت ہے

اور مری تپ سفر ہے اُن کے دم سے برقرار

(گو مری دامن پہ آسودہ ہے صدیوں کا غما)

ہے اُمیدوں کے افق پر دائمی طلعت کا نور!

موت کے جھونکوں سے جُڑ جاتے ہیں دھول کے شرار

پھر مگر ہوتے ہیں شعلے زندگی کے آشکار!

ہو اگر مجھ کو نہ انسانوں کی ہمراہی نصیب !!

دل شکن بابوسیوں سے مضمحل ہو جاؤں میں !

بیدلی کے کیفِ مرگ آموز میں کھو جاؤں میں

اُور بل جائے مری ہستی سراسر خاک میں !!

بزم ہستی میں حوادث کا گزر کوئی نہ ہو !!
 دیرگی کوئی نہ ہو، شام و سحر کوئی نہ ہو !

فرب محبت ✓

خبر نہ تھی کہ محبت بھی ایک دھوکہ ہے
 یہ جانفروز حقیقت بھی ایک دھوکہ ہے
 مگر یہ کر دیا ثابت ترے تغافل نے !!
 مجھے فرب دیا تھا مرے تجاہل نے !!
 بس ایک آس تھی جینے کی وہ بھی ٹوٹ گئی
 وفات پا گیا دل، نبض عشق چھوٹ گئی !

ریزہ افتاب

دُڑے کے فسردہ پیکر سے اک نور اُبتلا آتا ہے

زرباش سنہرے رنگوں کا طوفان اُچھلتا آتا ہے

گزرے ہوئے ذیلی لمحوں نے پھر بند سے آنکھیں کھولی ہیں

دُڑے عین کرنیں چپٹے ٹھیں نور کی بولی بولی ہیں

تاریک تھا ئق پر سوچ نے نور کا پانی چھڑکا ہے !!

دُڑے کی حقیقت جاگی ہے دُڑے کا فسانہ جاگا ہے

یہ ہر کی آنکھوں کا تار اُچھوٹکا ہے ہوش میں آیا ہے

احساس کی برقی حد سے لہرا کر جوش میں آیا ہے

تم دل کی نگاہوں سے دیکھو اس میں تجل رہتی ہے

ڈوبا ہوا سورج ہے جسکو یہ دُنیا دُڑہ کہتی ہے !!

سمت اور آسمان

آسمان سے مخرنے پوچھا تو کیوں غاموش ہے کس تحیر میں ہے گم کس خواب میں مہوش ہے
 دیکھ مجھ کو ہے مری ہر موج طوفانِ حیات روح میں کتنی ترپے دل میں کتنا جوش ہے
 آسمان نے مسکراہٹ دیا اُس کو جواب اے سمندر! تجھ کو اپنی ذات کا بس ہوش ہے

میں ازل سے ہی شعورِ ذات سے محروم ہوں!
 دیکھ کر بزمِ جہاں کے حادثے مغموم ہوں

طنز کا میاب

قبہوں کی گونج، نغموں کا ملام، کیف و نود زینتیں، جنت کا پرتو، شادمانی کا سرو
 ہر نفس میں نکہتوں کا ایک ہلکا سا گداز روح کی گہرائیوں میں عشقوں کا سوز و ساز

حسنِ رعنائی، خلوت، نوحہ سنا بہار
 عیش، بزائی، مُسرت، موج کوثر کا خم سار
 عشرتوں کی چھاؤں میں دھندلا سا نور ہوتا
 طلعتوں کے سائے میں راتوں کی شیرینی کا خواب
 اک ملائم نرم رو، دلکش مباحث کا بہاگ
 خود فراموشی، نشاطِ روح، مستی، رنگ، راگ
 رس بھری انگڑائیوں میں جرجر بارونکی لچک
 انکھڑیوں میں چاندنی جیسے ستاروں میں جھک
 آرزوں کی ستہری رو، تمتاؤں کے پھول
 انبساط و کامرانی کے درخشاں اصول !!
 زندگی کے راستوں پر کہکشاؤں کا جمال !
 نغمے برساتا ہوا ہر گام پر سا زخیال !
 خلد کی اک دلربا تصویر، لیکن بے ثبات !
 یعنی کچھ رنگین خوابوں کی طلسمی کائنات !

آہ گو کچھ دن کا تو ہماں ہے اے عہدِ شباب

گردشِ ایام پر ہے ایک طنزِ کامیاب

تغذیر

تیرے پندار میں جوستی پروانہ ہے !

اصل میں عشق کی اک لغزش مستانہ !

شمع کیا ؟ بادِ تحقیق کا پیمانہ ہے !

خواب اک ہوش کا بکھرا ہوا نیرازہ ہے

نیند پیغامِ برآمدگی تازہ ہے !!

دہم کہتے ہیں جسے علم کا خمیازہ ہے

زنگ کیا ہے فقط ادراکِ نظر کا مفہوم

اور نظر کیا ہے بس ایقانِ نمودِ مہوم

ایک ہو کہ ہے حقیقت نہیں جس کی معلوم

اصلِ جنت کو سمجھنے کی لیاقت بہشت

یعنی عرفانِ حقیقت کی سرسبز بہشت

اغرض روح کی تسکین سے بھارت بہشت

انحرافِ وِشِ صدق و صفادِ رخ ہے !

دل کی تسکین ہو غارتِ یزرا و زرخ ہے

اپنی دولت کا یقین سب بڑا دوسر ہے

روحِ انسان کی تسکین کا ہے اک ایما

روحِ باقی ہے کہ فانی نہیں اس جھگڑا

تو فقط دیکھ تختِ ہے یہ کتنا پیرا

منزلِ لفتیں

حُسنِ دلہنت سے بھری جان بخش و لکشِ فایاں برف کے ٹیلے، شفق کے رنگ، حیرتِ ناسماں ؛
 بادلوں کے سائے مستانِ بہاؤں کا خرام ؛ پُرفوں، ہندلا بیٹیں گہری خموشی، وقتِ ثام
 راحت و آرام کا پرتو، طرب افزا سماں سبز میداں، صاف رستے، اور سہانی گھٹائیاں

برف کے ٹیلوں پر خاموشی کے گیتوں کی بہار بج رہا ہے عظمتِ قدرت کے رازوں کا ستار
 نور کے تیخت کیا بارعب ہیں کیا باوقار بارگاہیں ہیں یہ جن کی ہیں کہاں وہ تاجدار
 آسمانی دیوتاؤں کے یہ مسند تو نہیں !! یہ چٹانیں اصل میں قدرت کے معبد تو نہیں !
 بارشِ تقدیس ہوتی ہے یہاں جذبات پر روح کو تسکین کا پیغام دیتی ہے نظر
 دامنِ کہسار کیا ہے ؛ ایک حیرت گاہ ہے ؛ حُسن کے صدنگ جلوئی زیارت گاہ ہے
 نور کے یہ قصر کس خلاق کے ہیں شاہکار ؛ کس مصوّر کے کہاں فن کے ہیں آئینہ دار !

اس جگہ محسوس ہوتا ہے حسد ابھی ہے کوئی:

عقل کی گمراہیوں کا منتہی ابھی ہے کوئی!

غمِ محبت (ایک مجسمہ) سنگِ مرمر کا ایک پیکر

غیر فانی شباب کا پیکر کسی شاعر کے خواب کا پیکر

لبِ یمنِ حمیدین و دلِ آویز پتلے پتلے گداز سے لبریز!

آہ لیکن گداز خفتہ ہے! نوجوانی کا راز خفتہ ہے!

چاندنی سے بنی ہوئی ہیں خوبصورت بھری ہوئی ہیں

خلدِ کبیر ابھار سینے کا! نوجوان پُر بہار سینے کا!

بے نقوی رُخ ہے چاند ماما تھا جس پر قربان نور کا تڑکا!

پنڈیوں سے بہا لپٹی ہے طلعتِ سحر کا لپٹی ہے

ہے یہ صورتِ دراز پیکلوں کی جیسے چکی ہوئی ہوں کہیاں سی

اے بیکر جس میں آنکھوں میں پاکِ عفت بھری نگاہوں میں

آنسوؤں کا عمیق پتہ ہے ایک پنہاں گداز کی ضو ہے

کسی فرقت نصیب بُت گئے کسی حسرت نصیب بُت گئے

اِس حسین و جمیل مورت میں! پیکرِ مر میں کی صورت میں

اپنے جذبات کو چھپایا ہے

آبدی غم کا راگ گایا ہے

فلسفی سے خطاب

تو فلسفی ہے تو ہے کائنات کا نباض نکاتِ عقل کا مخزن بیتے دل کی بیاض !
 ترے دماغ کو باریک مسئلوں پر عبور ادق رموز سے واقف ترا بلوغ شعور
 بجا کہ روح کے جزا کا علم ہے تجھ کو ! عناصرِ کیم و صحرَا کا علم ہے تجھ کو ! !
 فلک کو حدِ نظر کا نقب دیا تو نے ! ! ہر ایک عتہٴ شکل کو داکیا تو نے ! !
 ہے زحمانِ حقائق تری نگاہِ رسا خرد کی آخری حد ہے ہر انکشاف ترا ! !
 ہے وہوم تیرے تجسّس کی سب مانیں کہ علم و عقل کی جاں ہے ترے فسانے میں
 غرض دماغ کے جوہر نکالتا ہے تو ! ! خدا کی خاتِ تنقید کر رہا ہے تو !
 بجا کہ خالقِ بزمِ شہود کوئی نہیں ! درست ہے کہ خدا کا وجود کوئی نہیں !

مگر یہاں ہمہ تن یکسو روح و راحتِ دل ترے حواس پر طاری ہے کیسی وحشتِ دل

خدا نہیں تو خدا کی تلاش کیوں ہے تجھے یہ کس طرح کافر است شکن جنوں ہے تجھے!

ہے ایک شعر ”اگر ساری آگہی میری نہیں ہے عقل پہ مبنی ”خدا گری“ میری!!

تو مجھ سے کس لئے ارشاد ہے کہ کیا ہے خدا جڑ اس کے کیا کہوں ہر درد کی دعا ہے خدا

نہ جانتا ہوں نہ پہچانتا ہوں میں اُسکو

خبر نہیں مجھے کیوں مانتا ہوں میں اُسکو

بادل اور کوہسار

کوہسار اور بادلوں کے جھگڑے، شام اور شفق!

ڈوبتے سورج کا رومان آفریں جسم اور شفق

بادلوں میں کیفیتِ رعنائی کی تصویروں کے نقش

مستیوں کے خال و خط صد نگِ تنویروں کے نقش

روح پرور رنگ دل کش سائے، نورانی غبار

کچھ حقیقت، کچھ تصور کا طلسم سحر کار!

دھیمی دھیمی تیرگی میں ہلکی ہلکی سُرخیاں!

سرخوں میں حیرت افزا داستانوں کا جہاں

چھن رہا ہے بادلوں سے رنگ طلعت کا غبار

نور کے چھینٹوں کے اندر جیسے پھولوں کی پھوار

دُور کا کوئی افق ہے چشم دل کے سامنے

سُرخ آئینہ جس پر پھیلائے ہیں اپنے شام نے

رقص میں مشغول ہیں پریاں گھٹائیں اڑھ کر

شعریت سر دھن رہی ہے جن کے ہر انداز پر

دہن میں لہرا رہے ہیں کچھ سہانے خواب سے

چھوڑے ہیں بر لبِ تخیل کو مضرب سے!!

آہی ہے دھیمے دھیمے مست گیتوں کی صدا !

بجر ہلے آنکھ سے اوجھل کہیں اک ساز سا !

جس کو سن کر رفتہ رفتہ جھومتا جاتا ہوں میں !

خواب میں جیسے کسی کو چومتا جاتا ہوں میں !

خاشی

خاشی اک غیر مری خُسن ہے تخیل کا ! جلوہ صد رنگِ حسنِ موت کی تخیل کا !!

کیا تخیلِ آفریں ہے رسمِ وراہِ خاشی ! فلسفہ کیا ہے جلالِ بارگاہِ خاشی !

عقل کی صنایعِ مول کو جا بختی ہے خاشی ! فکر کی گہرائیوں کو جا بختی ہے خاشی !

خاشی قدرت کا وہ ایمائے غور و فکر ہے ! لمحہ لمحہ جس کا اک دریائے غور و فکر ہے !

خاشی ذی روح پُراسرار دندہ خاشی ! آشنائے لذتِ گفتار دندہ خاشی !

دیکھتی ہے خامشی کے حسن کو چشم خیال ! خود بخود کھلتے چلے جاتے ہیں اسرارِ جمال !

سیری پنہاں قوتوں کا امتحان ہے خامشی میرے اور اک نہاں کی رازِ دال ہے خامشی

خامشی سے معنی حُسن آفریں لیتا ہوں میں فکر کی کشتی کو چمکے نور میں کھیتا ہوں میں !

خامشی کی گونج میں ہے ایک حُثانی صدا جیسے میں گم ہو گیا ہوں کھو گیا ہوں بارہا !

کیا بتاؤں تجھ کو اے ہمد کہ کیا ہے خامشی ! خامشی تو ہے مگر جانِ نوا ہے خامشی !

کچھ نہیں کھلتا کہ خاموشی ہے یا آواز ہے

شنا بہِ فطرت کی یہ بھی اک ادائے ناز ہے

بحر کی کہانی

مغرب کے اٹھ رہی ہیں پھرے فتنل گھٹائیں ! صبا صفت گھٹائیں، مستی فشاں گھٹائیں

ٹھنڈی ہوا کے لب پر افسانہ جنوں ہے !

دامانِ بحر میں جو کلیاں چمک رہی تھیں شادابیوں میں غلطانِ نین، مہک رہی تھیں !
 وہ چاندنی جو شب کو پانی میں سو گئی تھی !! موجوں میں جذب ہو کر موجوں میں کھو گئی تھی
 جاگی ہے نیند سے اور پرواز کر رہی ہے !!

مغرب اُٹھ رہی ہیں پھر مے فشاں گھٹائیں صبا صفت گھٹائیں، مستی فشاں گھٹائیں !!
 رنگیں حکایتوں کے اجڑا بکھر رہے ہیں ! خواب آفریں دُھند لے گویا نکھر رہے ہیں
 گیتوں کا اک جزیرہ گردوں پہ اُڑ رہا ہے

قوسِ قزح بنا کر رنگیں مزاج لہریں آئی ہیں رقص کرنے گردوں پہ آج لہریں
 آئی ہیں ساتھ لے کر انوار کے خزانے پھولوں کی نکلتوں میں باندھے ہوئے فسانے
 بر لبِ طے کے لفظ میں ہے موجِ سرورِ قصاں موسیقیوں کی لہریں صبا کا نورِ قصاں !

ہرے فشاں گھلے اڑتی ہوئی جوانی !!!
 روانِ انہریں ہے کیا بحر کی کہانی!

مرآۃ حیات

بچپن اک پُرشوق کیفیت ہے انتفا کی یعنی اک فطری طلبِ آگاہی اسرار کی
 بعد انتفا کے ہے آئی یعنی شباب زندگی کے علم کا سب سے عظیم الشان باب
 آگہی کے بعد بیزاری کا آتا ہے مقام
 جس کو کہتے ہیں بڑا پائے آخر اختتام



رخصت

رخصت بلے دوست یہاں آئے تھے رونے کیلئے جوہرِ زلیبت، غمِ عشق میں کھونے کے لئے

سو گیا ہے مرے ماتھول میں جوانی کا رباب

زندگی کیا تھی؛ بس اک نغمہ اندوہِ شباب

میری پھرائی ہوئی آنکھوں کو دے فرمتِ خواب

کہ مری روح بھی بے چین ہے ہونے کیلئے

اس طرف ایک سمندر ہے خموش اور غموم؛ جس کی تیر میں نظر آتا ہے ستاروں کا ہجوم

اس سمندر کے کنارے پھینک دے کوئی؛

منتظر میری سفینے میں حبیب ہے کوئی؛

مجھ کو جانے دے یہ مسودہِ مہینہ ہے کوئی؛

مجھ کو دلپیش ہے پیاسے، سفرِ شہرِ نجوم

مجھ کو جانے دے خدا! میری منزل ہے یہی کرنا بیٹے کا اشارا، میری منزل ہے یہی

مجھ کو اس ارضِ مقدس کا سفر کرنے دے

عشق کے آخری میدان میں قدم دہرنے دے

روحِ محبوبے ملنے کے لئے مرنے دے

میں بھی ہوں ایک تنہا میری منزل ہے یہی

ٹوٹا ہوا دل

کیا بتاؤں بکھنے سے رازِ نہاں موجود ہیں !

یہ زمیں کیا ! دل کے اندر آسماں موجود ہیں !

یہ مرا ٹوٹا ہوا دل بھی بڑی شے ہے ندیم !

بورسہ جبریل کے اس پر نشاں موجود ہیں !

”نکبت“

(بنام شاید نازک خیالوں)

”نکبت“ کی جوانی ہے کہ پھولوں کی کہانی ! اک چتر رنگیں سے اچھلتا ہوا پانی ! !
 نکبت کی حسیں زخموں کا مخمور سا نہ ! سناہوں میں گھٹنگھٹاؤں کی زبانی !
 ”نکبت“ کی ہر اک بات ہے شیریں دلائم ! ”نکبت“ کی ہر اک شے ہے لطیف اور سہانی !
 ”نکبت“ کے حلاوت بھرے رنگیں لبوں میں صنوبریں کلیوں کی نزاکت کے معانی
 ”نکبت“ کا سراپا ہے کہ اک نغمہ صدنگ گلبرگ و چراغ و مینا کی کہانی ! !
 اک پیکر پر نور میں طوفانِ لطافت اک ساغر رنگیں میں بہار اور جوانی !
 ہیں گیت مری روح کے اشعار نہیں ہیں الفاظ میں ہے میرے تنفس کی روانی !

تصویریں دھڑکن بھی ہے شامل مرنے کی

یہ کام نہ کر سکتا ہے بہر زاد نہ مانی !

نطقِ نانا

تخیل نے فلک پیمائیوں کی انتہا کر دی تصویر نے طلسم آرائیوں کی انتہا کر دی

ستاروں کی طلسمی وادیوں کی سیر کی اکثر فلک مختشم آبادیوں کی سیر کی اکثر
سمندر کے نہاں خانے میں یوں کے محل دیکھے نگاہِ فکر نے ذروں کے سینے میں جبل دیکھے

گھٹاؤں کی ادا کا قصہ بوشِ آدا لکھا ! عجائبِ خاندانِ توسنِج کا ماجرا لکھا !

خیالوں کے صنم خانے میں جنت کا سماں تھا بنائی ایسی تصویریں کہ حیرت کا سماں باز تھا

دکھا بازویرِ استدلال سچیدہ مسائل میں کھڑی کر دیں چٹائیں عقل و حکمت کی دلائل میں

ادق نکتوں کو سلجھایا معانیِ آفرینی کی معاذ اللہ قوانینِ ادل پر نکتہ چینی کی !!

مگر احوالِ دل احوالِ ناگفتہ رہے اب تک وہ دل ہی جانتا ہے دل نے جو صدمے سہے اب تک

کمالِ نطق بھی قاصر ہے دل کی ترجمانی سے

نہیں واقف ابھی طرزِ تکلم اس کہانی سے

تاثراتِ گورستان

درد کی تصویر کھینچی ہے سکوتِ شام نے ایک رقت خیز منظر ہے نظر کے سامنے !
 دُور تک پھیلے ہیں حسرت خیز قبروں کے نشاں غرق ہیں کیفیتِ غم میں زمین و آسمان
 سرد ہیں چھپکے بیٹھی ہیں سکوں کے بھیتیں نوحہ گر ہے ایک ناطقِ خامشی اس دیس میں

آج سے دس سال پہلے یونہی وقتِ شام تھا اور میں ناواقفِ دلدوزیِ آلام تھا !!
 چند لوگ اس رُوح فرسا سرزمین میں آئے تھے موت کی سرکردگی میں اک جنازہ لائے تھے
 میرے اتنفسا پر یوں مجھ کو بہلایا گیا ! موت کے عقدے کو دو فقروں میں سلجھایا گیا
 ہو سکا جب تک تمہارے پیار کا دم نہ گر گیا ! اب تمہارا نوجواں بھائی خدا کے گھر گیا !
 آہ وہ سادہ دلی بچپن کی اب تک یاد ہے میں نے یہ سمجھا خدا زیریں میں آبا ہے

آج پہچانا نہیں جاتا وہ گم گشتہ مزار بن گئی ہیں اسجگہ ویسی ہی قبریں بیشتر
 کس طرح معلوم ہوئے خویش وہ بیگانہ ہے ہر تفاوت سے بری رُوحوں کا وحدت خاص ہے
 ایک ہی رُوحوں کی نئے اور ایک ہی آواز ہے
 موت کیا ہے؟ اجتماعی زیست کا آغاز ہے!

حادثہ

یہ کن حور وں کے ساکت مر مر ہیں جہاں قبریں پر جھکے ہیں متوسل سے نورِ خوانِ دائمی بن کر
 محبت سسکیاں بھرتی ہے انکی پال نکھوئیں غمِ نیاں کا اک سیلاب غمناک آنکھوں میں

یہ گورستان ہے یا ایک پُر اسرار آبادی یقین معرفت کی اک تقدیرِ آفریں وادی !!
 ازل سے ہیں یہاں جھپکے آواز کے پیرانیے خموشی میں رہی ہے خوشی رُوحوں کے افسانے

فرشتوں کے پرنی پٹھڑا ہٹ ہے خموشی میں !
 خٹکے پاؤں کی جھیمی سیاہ ہے خموشی میں
 حبسِ قبر کے جھرمٹ میں ہیں اکثر بیٹھ جاتا ہوں
 اور اپنے راگ کے منہم شعلوں کو جگاتا ہوں !!
 سری آواز میری روح کو لے کر ابھرتی ہے
 اہل اس حادثے کو دیکھ کر بے موت مرتی ہے
 کھٹکتا ہے یہ اندیشہ اہل کے قلب حیراں میں !
 یہ روح اجنبی کیوں آتی ہے شہرِ خموشاں میں !
 جنونِ عشق میں طے کر کے ہستی کے محل کو
 یونہی از خود اگر رہیں چلی آئینگی منزل کو !
 تو اسکے فرض کی مہیتوں کو کون جانے گا !
 اہل کو کون سمجھے گا اہل کو کون مانے گا !

یہ احساس اُس کے دل میں برق بن کر گونجنا ہے
 اور اس کو مرگِ ناکامی کا افسانہ سُنانا ہے !

خوش آمد

تم آئے ہو اور ساتھ تمہارے مرے گھر میں
 ٹوٹ آیا ہے گزرا ہوا رنگین زمانہ !

کاروبارِ نشاط

راستے میں اُس سمن پیکر کی نظروں کا سلام
 چشمِ نکتہ فہم کو دیتا ہے مے کا ایک جام
 اک محبت زاد گستاخی عدم ان کے حضور
 بخششی ہے دل کو کیا وجہاً فریں کیفیت و سرور
 گریموں کی دوپہر میں گاؤں کی پرلیں کے آگ
 بڑکی ٹھنڈی چھپاؤں میں جلتی ہوئی الفت کی آگ
 بنسری کی آتشیں نے اور نگاہوں کی مٹھاس
 جس سے بجتی بھی ہے اور بڑھتی بھی ہر شاعر کی پیاس
 کتنے زیریں عیش میں بکھرے ہوئے ہر گام پر
 میں توجہ کیا کروں دنیا ترے آلام پر !!

وقت

چٹکے وقت سے ننھی سی اک کلی نے کہا ذرا چمن میں طسسم بہار رہنے دے
 ابھی تو آنکھ کھلی ہے مری، ابھی کچھ دیر! فضائے باغ کو شاداب کار رہنے دے
 مری رگوں میں مچلنے دے موج صہبا کو مرے خیال کو غرق بہار رہنے دے
 لباس، قوسِ سحر کا جو میں نے پہنا ہے مرے بدن سے اے مت اتار رہنے دے
 صبا خنیں ہیں اگرچہ بہت عجیب و غریب صبا خنیں ہیں، ناپائدار رہنے دے
 بہوم رنگ و فروغِ جمال و بارشِ کیف! عجیب چیز ہے دور بہار رہنے دے
 تجھے بہار کے یل و نہار کی سو گندہ ذرا بہار کے یل و نہار رہنے دے
 کہا کلی نے، بصد منت و نیاز کہا مرا سہاگ، مری یہ بہار رہنے دے

مگر وہ گھائل اندازِ انتخاب نہ ہوا !! !!

کلی کو توڑ کے سنہتا ہوا روانہ ہوا!

دورنگ

اُن کی جانب پہلے یونہی دیکھتا رہتا تھا میں بات تو کوئی نہیں تھی، دیکھتا رہتا تھا میں
 دیکھتے رہنے سے میرے وہ بہت مسرور تھے اپنے حسن و لبری سے آپ ہی سحر تھے
 اُن کو خوش کرنے کی خاطر آہ بھرتا تھا میں گا ہے گا ہے اپنے دل پر ہاتھ ہر لیتا تھا میں
 وہ سمجھتے تھے کہ اُن کے حسن پر مڑتا ہوں میں ! اُن سے کرتا ہوں محبت اُن کا دم بھرتا ہوں میں
 گھر میں اُن کو چین آتا تھا میرے دھیان میں بس پہ جاتے تھے وہ جذبات کے طوفان میں
 باغ میں ہر روز مجھ کو دیکھنے آتے تھے وہ !! بن سنور کر مجھ سے داؤ حسن لے جاتے تھے وہ !
 مدعا اس کھیل کا کیا تھا فقط اک دل لگی ! ان کو خوش کرنے میں نہیال تھی مری اپنی خوشی
 کر کے خوش فہمی میں ان کو مبتلا نہستا تھا میں سادگی پر ان کی دل میں ملا نہستا تھا میں !

آہ لیکن ہمیشہ اس کے دل کی حالت اور ہے دل کی حالت اور ہے رنگ طبیعت اور ہے

جب نظر آتی نہیں گلزار میں ان کی جھلک ٹھوکریں کھاتی ہیں سودائی نگاہیں دور تک
 بارغ میں آتا تھا پہلے سیر کو میں اب مگر کھینچ لاتی ہے یہاں انکی کشش شام و سحر
 اُن کو دیوانہ بنا کر مجھ کو وحشت ہو گئی ! !!
 دِل لگی کی تھی مگر سچ مچ محبت ہو گئی ! !!

شکستِ موج

سینہ دریا سے لپٹی روح کو گرا گئی ! !!
 موج جب تک تیز دھڑکے پر رہی ہر گئی
 جانبِ ساحل گئی جب نازِ سُر ماتی ہوئی
 اس کی ہستی کو کنا سے کی خموشی کھا گئی !

نور و نار

گزارش :-

پیاری مرے غاوص بھرے آنسوؤں کا نور میرے جنوں کا راگ مرے عشق کا سرور
 پہنچا ہے دور کے کسی روشن دیار میں حسن ازل کے دائمی فردوسِ ناز میں !
 جس سرزمین کو زہر و ناہید میں رواں جا کر جہاں ٹھہرتے ہیں تاروں کے کارواں
 اُس سرزمین سے آئی ہے تو میر دہیں میں موسیقیوں کی روح ہے عورت کے بھیس میں !
 آئی ہے تاکہ ٹھہرے یہاں رات کے لئے میرے غریب دل کی مدارات کے لئے !
 گو تو ہے ایک پیکرِ محسوس جانِ من ! آنکھیں ہیں تیرے حسن سے مانوس جانِ من !
 لیکن ترا وجودِ طلم خیال ہے ! ! تخلیقِ رنگ و نور کی حدِ کمال ہے

آنکھیں تیری بنی ہیں فرشتوں کے زہر سے

اے کہکشاں سے اتری ہوئی پاک ناز نہیں ہیں تیرے انتظار میں اُس دیس کے مکیں !
 جا ! میرے غمکدے میں نہیں کچھ بزمِ الم ہے میری کائناتِ حُبّت کا تلخ غم !
 جا ! اپنے رنگِ نور سے مسموڑ گھر میں جا اِس غمکدے سے دُور سرتِ نگر " میں جا !

جواب :-

اے الفت و نیاں کے پابند نوجواں ! بہتر ہے ارضِ نور سے یہ تیرا خاں !
 میرے وطن میں عشرتِ جاوید ہے مکیں بے شک جالِ زہر و ناہید ہے مکیں
 میرے وطن میں نور کے چشمے بھی ہیں سواں

بے فائدہ مگر وہ بیاہن نور ہے ! اُس نورِ زار میں مرادِ دل غم سے چور ہے !
 اکتا گئی ہوں نور سے ہے نار کی تلاش جذباتِ آتشیں کے تپشِ نار کی تلاش
 تیری جنوں نواز نگاہیں عجیب ہیں ! دُوبی ہوئی گدا میں آہیں عجیب ہیں !
 آئی ہوں تیری چاہ میں کتنی دُور سے برابر کرنے مجھ کو عبث ذکرِ نور سے !!

آغوش اشتیاق میں اس طرح لے مجھے
بس اپنے دل کی آگ سے تو بھونکدے مجھے

طلوع

مشرق میں ابرو رنگ کا منظر ہے دیدنی کیف آفریں گھٹاؤں میں ہے سحرِ سامری !
کوثر کے پڑے ہیں جو چھینٹے حواس پر ہر سانس میں سرور کی ہے ایک لہریسی !
موسم کا حُسن، پھولوں کی نکہت، فضا کا رنگ ٹھنڈی ہوا، لطیف سماں، روجِ تازگی !
صبحِ شگفتہ کا عجب از دیکھنا ! کھلنے لگی ہے ایک خزاں آشنا کلی !

یعنی عدم کے قلبِ فسر وہ میں بھی ندیم !

بیدار ہو رہا ہے پھر احساسِ زندگی

معنی

بیا کر کے فائے مست کا طوفان، و مانجھ پیل
 بجز موسیقیوں کے کچھ نہیں جس شہرِ نغمہ میں
 درختاں، غیر فانی، روح پرور راگ رہتے ہیں
 قواؤں کے اشارے پر نوائیں رقص کرتی ہیں
 جہاں گیتوں کا دن چڑھتا ہے گیتوں کے سوسے میں
 ازل سے جس جگہ موسیقیوں کا نورِ رختاں ہے
 جہاں وقت، اک نسل، اک کی جھنکا ہے خود بھی
 ہمیشہ بجے والے ساز کا اک تار ہے خود بھی !!

اٹھارہ لاکھ اے نباضِ ربط و جد میں آکر!
 فضاؤں میں بہاؤ ہے چشمہٴ انسونِ موسیقی
 شبِ مہتابِ گیتوں کی پریوں کو جگا کر
 رگِ لمحات میں ہو مژگِ روشِ خونِ موسیقی

سماعت تیری تانوں سپٹ کر مست ہو جائے
 بری ہستی ترے کیف آفریں نغموں میں کھو جائے

کوئی

سحر کے نور کا عالم لئے نگاہوں میں !! ضیا بکھیرتا جاتا ہے کوئی راہوں میں !
 بوں میں معنی عہد شباب خشاں ہیں ! بہار جھوم رہی ہے حسین راہوں میں !

رنگ و نور

شباب و شعر کی طغیانوں کا سماں ہے نظر نظر میں شبِ مہتاب غلطاں ہے
 بنا ہوا ہے ہر اک عضو موجِ صبا سے تمہاری ذاتِ طلسم بہارِ خنداں ہے

جوانی

طلسموں کا دریا ہے خوابوں کے دھارے دھندلکوں میں لپٹے ہوئے ہیں نظارے

مری ناؤ کس سرزمین کو رواں ہے!

فضائل میں نکبت کی پھیلی ہوئی ہے پر اسرار طلعت سی چھائی ہوئی ہے

یہ کس گیت کا ماہ سپیکر سماں ہے!

ہر اک چیز نفموں کی لئے سے بنی ہے ہر اک چیز نیندوں کی محسوس بنی ہے

ہر اک چیز حسن پر تو فشاں ہے!

ستاروں کی آواہ ہے یا جوانی! لطافت بھرا ساز ہے یا جوانی!

جوانی ہے یا غم کی کھکشاں ہے!

تکسے میں دریا ہے اور چاندنی ہے مری ناؤ خود اک حسین راگنی ہے

مری طرح فطرت کی ہر شے جواں ہے

کسی مومن میں کھویا ہوا اجارا ہوں سینے میں سویا ہوا اجارا ہوں !

نہیں کچھ خبر میری منزل کہاں ہے

ایک لڑکی

نجانے کون ہے یہ سادو حسیں لڑکی ! یہ بھولی بھالی سی اک وجد آفریں لڑکی !!

جو صبح ساحلِ دریا پر روز آتی ہے ! ! اور آکے چڑیوں کے مانند چھپاتی ہے !!

اچھالتی ہے حسیں انگلیوں سے پانی کو تو وجد آتا ہے دریا کی سب روانی کو ! !

جو دوڑتی ہے خنک ریت پر سرت سے تو رقص کرتے ہیں لہرا کے ثاواں دڑے

یہ منہ کو دھوتی ہے اردو پردوں کو دھوتے ہیں میوہاں کی خوشی میں شریک ہوتے ہیں !

یہ لڑکی رہتی ہے جب تک مری نگاہوں میں

خوشی سی ناچتی پھرتی ہے گویا راہوں میں !!

راوی کے کنارے ایک شام

پرسکوں راوی کی سنجیدہ خموشی کا وقار کر رہا ہے روح پر گہرے حقایق آشکار !!
 دل سراپا درد ہے تسکین سے محروم ہوں شام کے گہرے دھندلکے کی طرح مغموم ہوں
 بھر رہی ہے سرواہیں مضحل موج صبا بیکسی کی غم فزا تصویر ہے راکت فضا
 نرم روموجوں کے ہلکوروں کا غلگیں ارتعاش ! کر رہا ہے ہمنشیں قلب و جگر کو پاش پاش
 محفل ہستی کی ہر شے دروئے معمور ہے جیسے ہر سینے میں نامعلوم سنا سوراہے

کیا یہی بارہ درسی ہے جسکے حیراں بام و دور کھولتے تھے عیش و عشرت کے دریچے روح پر!
 مست و بے خود، تہہ ہوں چھبوتی تھی روحِ دشت وقت تھارنگیں ترانوں کی صد بازگشت !
 کیفِ ثنابابی کی جاں پرور بہاروں کا ثناب یعنی حیرت خیز رنگوں میں غروبِ آفتاب !!
 اُن وہ دورِ بنجودی وہ صحبتِ راد و نیاز وہ امنگوں کی تڑپ وہ آرزوؤں کا گداز !!

وہ ہوائے سرزد وہ دریا کا ساحل وہ بہار
آنکھوں آنکھوں میں کسی کا مسکراتا بار بار !
وہ کسی کی دلربا باتیں وہ باتوں کا سرور !
وہ کسی کا چہرہ خنداں طلسم رنگ و نور
کس بلا کی دلکشی پنہاں تھی حسنِ شام میں
بھر دیا اب زہر کس نے ساغرِ آیام میں !

اے کتنی سطح میں ہوتی ہے انساں کی نظر
روح کے اعماق سے جب تک ہو وہ باخبر !
کائنات اک عکس ہے انسان کے جذبات کا
یعنی ہر تصویر اک پرتو ہے اپنی ذات کا !!
اک نہری خوابِ دنیا کی ہر فانی خوشی
دھوپ کے مانند ڈھل جاتا ہے حسنِ دلکشی
ٹوٹتا ہے جب طلسمِ شادمانی یک بیک !
چونک اٹھتی ہے بشر کی روح غم کی کھٹک
شادمانی خوابِ غم اس خواب کی تعبیر ہے
دیکھئے تو نقشِ مستی درد کی تصویر ہے
کس قدر گہرا ہے محسوساتِ غم کا سوز و ساز
چھار ماہے میری ہستی پر مرے دل کا گداز !

ہو رہی ہے اس طرح تکمیلِ ذوقِ آہی !!

نبٹی جاتی ہے سراپا درد میری زندگی

مزدور



جہاں کی رونقوں میں نکتے ہیں میری محنت کے جہاں کی رونقیں کیا دلوے ہیں میری محنت کے
 رفیع الشان جتنے بھی محل ہیں پوچھ لو ان سے یہ کس کے دست و بازو کا عمل ہیں پوچھ لو ان سے
 یہ مندر کا کلس میرے پسینے کا شہر ہے مرے ہاتھوں نے مسجد کے ہر اک خط کو ابھارا ہے

نہیں واقع تو میری عظمت پر نور کو دیکھو مرے ملاق کو دیکھو ابرے مزدور کو دیکھو
 یہ دنیا جس کے نورانی تخت کی ہے مزدوری یہ سب کچھ جس کے لافانی تخت کی ہے مزدوری
 جو سو سچ چاند اور دن رات سی چیزیں بنا ہے ازل سے آسمان کے کھیت میں غم دل چلا تا ہے
 ہیں زندہ عرش کے روشن نقطے جسکی محنت سے فلک پر شب کو اگتے ہیں ستارے جسکی محنت سے

ہے سب کچھ حاصل محنت یہ دنیا کیا وہ دنیا کیا !

ہے مزدوروں کی ملکیت یہ دنیا کیا وہ دنیا کیا !

گیت کے مناظر

انگلیوں کا قص اور تاروں کی لرزش کیا کہوں دل میں لہر مے رٹے ایک سیلاب جنوں
پھر ہے ہیں گیت کے صدر نگ منظر آکٹھیں جذب ہیں کیا کیا نقوش سحر پرور آنکھ میں

یہ گماں ہوتا ہے اک تالاب حسن آفریں! سانپ لہرا ہے ہیں جس کے اندر سمیشیں
اور اس میں رفتہ رفتہ ڈوبتا جاتا ہوں میں موت کے اعماق کی جانب بٹ بٹا جاتا ہوں میں!

یا کوئی ویراں محل ہے جس کی خوابیدہ فضا کر رہی ہے پیش نظر خیال و خواب کا!
ایک نگیں شام امانی کی ہے ٹوٹ آئی ہوئی قہقہوں کی ایک پہاں گونج ہے چھائی ہوئی
چوڑیوں کی کھٹکھٹاہٹ سے فضا معمور ہے اینچلوں کی سرسراہٹ سے ہوا معمور ہے!

یا کوئی جنگل ہے سناٹا ہے جس میں چار سو دو پہر کا وقت ہے اور چل رہی ہے گرم ٹو !
 اور افق سے اٹھ رہی ہے ایک مستانہ گھٹا ! لے کے اپنے ساتھ اک طوفان سرور کثیف کا
 ناچتے ہیں جوشِ مستی میں بگو لے اس طرح ریگِ صحرا میں منگیں جاگ اٹھی ہوں جس طرح

یا کوئی دریا ہے جس میں اک سیفِ تہ ہے دواں اور سینے میں ہے روشن اک چراغِ نیم جاں !
 جس کی دھیمی سی بنیائیں جھلملاتا ہے جنوں لے رہا ہے سانس ہر سو شبِ وحشتِ نافرینوں

غرق ہے دل مضطرب جذبات کے بہجان میں !

کھا رہی ہے روح ہچکولے کسی طوفان میں

آہنگ

آہنگ میں چین معانی ہے جلوہ گر لفظوں کی کائنات نہیں جس سے بہرہ ور
 میٹھی سڑوں میں جاگ ٹاپے عجب سہل برسا ہی ہے سحر و سوسل الگ کی بناں
 افسانہ کہہ رہی ہے یہ سراسری کی لئے جاگا ہے کوئی نیند سے منہ پر چھپرک کے مئے
 زلفوں میں ہے بہار کی کلیں کا اہتمام پتکوں کی جہنشتوں میں درخشاں روح جام
 تصویریں ہے ہیں عجب الہی کے تار ! انگڑائیوں میں غرق ہے اک پیکر بہار

موج نسیم علم ارومان و خواب کی !! آواز بن کے آئی ہے سازِ شباب کی !
 قومِ مستنح کو جو ہم رہی ہے حسین گھٹا بے پی کے جیسے جھوم رہی ہے حسین گھٹا
 بہکی ہوئی نعنائوں میں بکھرے ہوئے ہرنگ چھایا ہوا ہے نورِ سماں نکھرے ہوئے ہرنگ
 ہر ہے ہیں دُور کے خراباں میں آنکھیں جھپکے ہیں مے خوابِ آگ کے میں

دن کو دن کا خم ریتا ہے نشہ کارو بار ریتا ہے !
زندگی کے جہاد میں مصروف کوشش با مراد میں مصروف
کیفِ محنت میں غرق رہتا ہوں ستم روزگار سہتا ہوں

شام کو ایک جھوکے ساحل پر بیٹھ جاتا ہوں مطمئن ہو کر!

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی ہیں روح پرورد صدائیں آتی ہیں !

جام بھرتا ہوں شعر کہتا ہوں

اپنی دُنیا میں مست رہتا ہوں !

رومان

شام تھی اور شام کی تاریکیوں میں منڈیشیں ساحلِ دریا پہ محوِ سیر تھی اک نازِ نہیں
اُس کا پیکر شام اور دریا حقیقی چیز تھے بن گئے لیکن یہ سب بن جل کر اک خوابِ حسیں

جب سیراتوں میں کھائے بادلوں کے دریاں ! آنکھ جھپکاتی ہیں رومہ کر فلک پر بھلیاں !
پکپکاتی روشنی کی مختصر ساعت میں بھی ! دیکھ لیتی ہے نظر کتنے طلسماتی جہاں !

ساتی

اُمٹھائے نشاط کے خلاق شادماں کر دے علاج و سوسہ و فکر را نگاہ کر دے
 غم و الم کے زمانہ کو مختصر کر کے بہارِ عیش کی گھڑیوں کو جاوداں کر دے
 ہے ایک جامِ بلوریں میں سگِ مرادِ شباب نگاہِ مستِ فلسفہ بیاں کر دے
 تری نظر کے کرشموں کا ہے یقیں مجھ کو مرے یقیں کو کرشموں کا ہم غماں کر دے
 نرہی جہیں میں ہے کلیوں کا نور ہے ساتی جہیں کے نور سے تخلیقِ گلستاں کر دے؛
 مری خزاں زدہ خوشیوں کو تازگی دے کر مری فسرہ بہاروں کو نو جوان کر دے
 ترے لبوں میں ہے پھولوں کا قند لے ساتی لبوں کے قند سے سیراب کام و جاں کر دے

ترے وجود کا مفہوم ہے طلوعِ شباب

جواں نگاہ سے ہر شے کو نو جوان کر دے

سیرِ مستان

بادہ جانفز ابھی کیا شے ہے ہے تخیل کی روح یا مے ہے
 مے جو دل کو جو ان کرتی ہے مے جو آنکھوں میں رنگ بھرتی ہے
 مے جسے پی کے جھوٹا ہے دماغ ! جس سے جلتا ہے بخودی کا چراغ
 رات ہم پی کے ایک ہمیشہ کیفِ عرفاں میں بے حجاب
 وادیِ مہرواہ سے گزرے ہر جنوں خیز راہ سے گزرے
 گفتہ قلبِ ناہیور کیا ! ہفت افلاک کو عبور کیا !
 گھوم کر ساری جلوہ گاہوں سے آخر شش حشر گاہ میں پہنچے

مجتمع تھا ہجوم بے پایاں ! دم بخود تھے تمام پیچہ خواں
 ایسا وہ تھے سب امیر و فقیر فکر میں غرق تھے صغیر و کبیر

دیدنی تھا ہر ایک چہرہ زندہ ہونٹ تھے خشک اور جسم تھے سرد
 ہر بشر خوف سے پریشان تھا روح لرزاں تھی جسم لرزاں تھا
 نکل رہے تھے ہر ایک کے اعمال ہر بشر تھا غم و الم سے نڈھال !
 تختِ ذی شانِ جلال آرا تھا ! داؤدِ شرِ جلوہ منسرا تھا

ایک بیک ایک بندہ آزاد ماست قدِ خوب رو و شوق نہاد
 یعنی وہ شاعرِ مسلم نگار غالبِ نکستِ سیخ و بادہ گسار !
 عجب اندازِ بے قیاری سے یعنی اک شانِ و منعداری سے
 چیس کر سب ہجوم کو نکلا اور بے احترام کہنے لگا
 اسے خدا سے جہان کے معبود ناظمِ عرصہ بہبوط و صعود !
 سارے احوالِ تجھ پہ ظاہر ہیں میرے اعمالِ تجھ پہ ظاہر ہیں
 جانتا ہے حریتِ ہوش ہوں میں کشتہ زدِ قی ناؤ نوش ہوں میں !

عمر پینے میں سب بسر کی ہے زندگی میکشی میں کھنڈی ہے
 نسر و اعمال میں دھرا کیا ہے اس کی پڑتال میں دھرا کیا ہے
 گر جہنم میں بھیجنا ہے مجھے ! تو بھلا اس میں نہ کیا ہے مجھے
 جس کا دل دوزخ سراپا ہو ! کیا جہنم کا اس کو دھڑکا ہو
 تجھ سے پوشیدہ حالِ دامن ہیں حسرتوں کا کوئی شمار نہیں !
 ذکرِ اکرام و بیکسی کیا ہے !! نامرادوں کی زندگی کیا ہے !
 بخش دیجے نہیں ہے تابِ شکیب کھا چکا ہوں تمام عمرِ فریب
 مجھ کو انصاف کا خیال بھی ہے دلِ گمروقتِ احتمال بھی ہے
 کیا کروں دل نہ ماننا ہو جب عدل ہے ایک لفظ بے مطلب

یاد ہے تجھ کو عادلِ بیکت ماجرا میری جاں نگاری کا !
 آوہِ شرِ آفریںِ راتیں !! برق و باران کی نشیں گھاتیں

وہ گھٹاؤں کا کینہِ وجداتی ! وہ فضاؤں میں مے کی طغیانی !
 نغمہ نگارِ شرب و شش آہ وہ میکہ کا جوش و خروش
 لغز نشوں کا ہجومِ ستانہ !! مستیوں کا شعارِ رندانہ !
 گلہ خوں کی ادائیں ہلکی ہوئیں مطربوں کی نوائیں ہلکی ہوئیں !
 عیش کا شادمانیوں کا سماں ! حشر آراجانیوں کا سماں !
 لیکن اس کینہِ نازِ عشرت میں موسمِ زرنگارِ عشرت میں !
 آہ وہ میرے گھر کا حالِ خراب زندگی تھی کہ ایک مردِ عذاب

سچ تو یہ ہے کہ شق میں قلبِ جگر روح میں جذب ہیں الم کے شرر
 مجھ کو جنت میں بھی اگر بھیجا ! دل وہاں کیا لگے کا اب میرا
 خلد و دودخ کی جب نہیں پروا کس طرح ہوگا فیصلہ میرا

خیر جو ہو گا دیکھا جائے گا فکر کیا حشر کے نتیجے کا !
 ماں لگتا ہنوز اے غفار ! اپنے اعمال پر ہیں ہم مختار !
 خونِ دل کس لئے پئیں بھریم تشنہ لب کس لئے جئیں بھریم !
 کراٹھارا کسی فرشتے سے بجا کے دوچارے کے خم لائے
 جب تک بزمِ شکر گرم ہے بادۂ حیا نفا کا دودھ چسے !
 سن رہے تھے خطبہِ زلیں ہر تن گوشت ہو کے پاس کہیں
 رندِ آزاد حضرتِ خیام بوئے باطنطرابِ ثنوی تمام

حشر میں مے کشتی ضروری ہے

آپ کی گفتگو اصولی ہے !



مندریں شام



مندریں جل رہے ہیں سپراغ اور جا بجا لہرا رہا ہے زہد و قفس کا نور سا

دل میں سمار رہا ہے بہشت آفریں سماں زر کار بہرین میں ہیں ملیبوس دیویاں !

چہروں پہ دل کے نور کا پرتو لئے ہوئے ؛ محو نیاز ، بادۂ عسراں پئے ہوئے

نا دک لبوں کی جنبشِ پیہم سے بار بار ؛ جاری ہے دلنواز ترانوں کی اک بھوار

متر چراغ ' شام ' دلوں کی صداقتیں اور ذوقِ بندگی کی مقدس لطافتیں

طاری ہے میری روح پر اک کیفِ بخودی پہنچا ہوا ہے عرش پہ ادراکِ بندگی بہ

محسوس ہو رہا ہے عبادت بھی حسن ہے ؛

اُس حسنِ سرمدی کی محبت بھی حسن ہے ۔



صنمخانہ خیال

شیریں لبوں میں حُسد کا مفہوم بے نقاب زلفوں میں جھومتی ہوئی موج جنوں توازا!
 موجِ جنوں توازا میں طوفانِ بے خودی! طوفانِ بے خودی میں تمناؤں کا گداز!
 باتوں میں لہلہاتی ہوئی جام کی کھنک اور جام کی کھنک میں بہاروں کے برگِ سنا
 اعضا میں لوجِ باتوں میں رُسِ دل میں تباہی! آنکھوں میں نورِ نور میں رنگینیِ مجاز
 رنگینیِ مجاز میں گہری حقیقتیں گہری حقیقتوں میں بہت ہی عمیق راز!

رازوں میں میرے شعر کا سرچشمہ جمال

وہ ہیں عدم کہ ایک صنفِ خیال !!



شبِ مانتاب ✓

سو رہی ہے پاؤں پھیلا کر زیس پرچاندنی سبزہ مخمور کے فریش حیس پرچاندنی !!
 دامن گلشن میں ہے پھیلا ہوا بول کا جال ! وجد میں آکر ہوا ہے نغمہ زن ساز خیال
 ہے ستاروں پر سکوتِ سحر ز اچھلایا ہوا اور فضا میں بیخودی کا حسن لہرایا ہوا !!
 نیند کی موسیقیاں تبدیل ہو کر حسن میں راگنی کے زیر و تخم میل ہو کر حسن میں !
 کہہ رہے ہیں ترجمانی رات کے مفہوم کی خوب یہ دلکش کہانی راگ نے منظوم کی !!
 رات ہے یا پیکرِ منظر میں اک خاموش راگ حسن کے بریل میں خواب آلود اور مدہوش راگ
 رات ناطق ہے مری خاطر بوجاںِ شاعر میں نطقِ فطرت کا لہر اک رازِ دانشاںِ ہول میں
 ہے ہر ادوقِ سماعت آپ ہی بریلِ نواز بج رہا ہے رات کی ہاتھوں میں سیرِ دل کا رن

رات کا نغمہ سرا ہی گیت ہے گا یا ہوا بڑ

رات مجھ پر اور میں ہوں رات پر چھایا ہوا بڑ

مزارِ دوست

دامنِ مغرب میں یہاں ہو گیا ہے آفتاب کلفتِ منزل سے تھک کر ہو گیا ہے آفتاب
 دہر پر زنگِ سکوتِ شام طاری ہو گیا آسماں سے چٹخہِ ظلمات جاری ہو گیا !
 مضطربِ بات کا طوفان ہے دل میں موجزن رنج و غم کا بحرِ بے پایاں ہے دل میں موجزن !
 آ گیا ہوں شورِ مٹی مستی کے ہنگاموں سے دُور زندگی کے شور و ثمرِ بستی کے ہنگاموں سے دور !
 منتظرِ ناکامیِ انساں ہے میرے سامنے فادہ کی خاموشیِ گورستاناں ہے میرے سامنے
 گور کی آغوش میں ہے دوست بھی پہنچاں میری قیمت کی طرح آسودہِ خوابِ گراں !!
 کر دیا ہے ناوکِ فرقہ نے میلِ سیمہ چاک اور میرے ارمانِ بیکر ساتھ میں پیوندِ خاک !
 تو نہیں تو نغمہِ بلبلِ صدائے آہ سے ! وسعتِ گلزارِ عالم ایک وحشتِ گاہ ہے
 میرا کاشانہ ہے اس دنیا میں بس تیرا دیار تو ہے جاںِ زندگی، تربتِ تیری میرا مزار

شب کی خاموشی میں بھی بیماری ہے دورِ آسمان کا
 ماں پہنچ کر پر لڑاں ستاروں کے رواں
 چھا گیا ہے سائے ویلے پر افسوں سکوت
 شمع مرقہ کی طرح میں بھی ہوں مرہون سکوت
 شمع اوریں دونوں نذرِ سوزِ غم ہو جائیں گے
 تیرے پیچھے راہی ملکِ عدم ہو جائیں گے !

اے دوست

آ! دادِ محبت دیں باہم، اے دوست! کہ دنیا فانی ہے!
 قیمت سے بیسرائی ہے، پھر کب یہ جوانی آتی ہے!
 تو دنیا سے کیوں ڈرتا ہے، کیوں خونِ محبت کرتا ہے!
 یہ دنیا تو سودا کی ہے، یہ دنیا تو دیوانی ہے!!

گھٹا

اُٹھی ہے جھوم کر گھٹا سرور ہے لئے ہوئے سرور و بخودی کی دِلنواز لے لئے ہوئے

جوان ہو گیا ہے جس سے دل بے شے لئے ہوئے

گھٹا نہیں، سمندروں کی کوئی مست ہے گھٹا نہیں، کوئی سپہر گرد موج بحر ہے

گھٹا نہیں، جنوں فروش مستیوں کی ہے

بہار کی پری کا حسن دِلنواز ہے گھٹا نگار و لغزیب کی ادائے ناز ہے گھٹا !

طسم ساز ہے گھٹا، فسوں طراز ہے گھٹا

گھٹا نہیں، مجسم ہے بخودی کے رنگ کا گھٹا نہیں، سرور ہے شباب کی اُمنگ کا

گھٹا نہیں، پیام ہے نشاط کی ترنگ کا

یہی گھٹا مگر دکھے دلوں میں غم کی آگ ہے فغاں نصیب کوٹوں کا جاںگدازاگ ہے

گھٹا نہیں، غم سراق کا سیاہ ناگ ہے

بچے

کم سنوں کے قہقہے، شاداب روحوں کا سرود
جانفزا گفتار میں صبحِ مسرت کی نمود !
کلفت کی لطافت کاریوں کا اک عمل
چاندنی پہننے ہوئے شفاف نورانی کنول
ساندہستی کی رو پہلی لئے کا جسم مر میریں
یافرشوں کے پروں کا عکس طلعت آفریں
عرش کی تمذیل سے ضوگیر ہیں ان کے دماغ
ان کی آنکھوں سے عدمِ امتا ہونے کی کاسراغ
کھیل میں مصروف ہیں بچے جو فرشتہ خاک پر
لالہ پیرا ہیں ملائک رفعتِ افلاک پر !

گستانِ زیست کے یز و نازک نو بہال !
جن کے ایک اک نقش سے مسجدِ ستارِ جمال !
کس قدر سبز ہیں شاداب ہیں مسرور ہیں
کس قدر مسرور ہیں بشارت ہیں مسحور ہیں
ان کو کیا معلوم کس ملت کے مستقبل ہیں یہ !
ان کو کیا معلوم کس وطن کے دل ہیں یہ !

انقلابِ آسمان کا دور جاری ہے مدام گردشِ پیہم سے ذروں کو نہیں حاصل قیام
 یہ ہیں معصوم بچے ان کی عمریں ہوں دراز جنہیں معصوم بچے ان کی عمریں ہوں دراز
 ان کے سینے غیرتِ اخلاق سے معمور ہوں ان کی روشنِ خاک کے ذرے محسوس ہوں!

ایک دن نامِ خدا یہ بھی جواں ہو جائیگا!
 اور ناموسِ وطن کے پاسباں ہو جائیگا!

تجزیہ

یسا ب کی روحِ بتیابی ہے برق کے خوں کا چہنمہ ہے
 رستہ ہوا میرے سینے میں مہربانِ جنوں کا چہنمہ ہے!
 یہ دل نہیں ہدم! مجھ کو قسم ہے عشق کے کیفِ مجکم کی
 جذبات کا اک آتشِ خاد ہے سو دروں کا چہنمہ ہے!

سروِ روح

چل رہی ہے شام کی ٹھنڈی ہوا گاتی ہوئی دل کو فرحت، روح کو تسکین پہنچاتی ہوئی
 کچھ سنہرے اور شفق گول بادلوں کے درمیان دیدنی ہے ڈوبتے سورج کا کیف افزا سماں!
 خار و خس میں لرزشِ رنگینی، موج بہار کوہسار اور ان میں اک ہلکا سا نورانی غبار
 پیچ و خم کھاتی ہوئی پگڈنڈیوں میں بے نقاب حریت کے روح پرور دلولوں کا التہاب
 کیا طرب آموز ہے شاداب جنگل کی فضا! ہو رہی ہے اک مسلسل بارش کیف و ضیا!
 چھبھرتی ہے شام جب سازِ نشاط و آوازی ہر گِ مردہ میں دڑاٹھتا ہے خونِ زندگی!
 دُور ہو جاتے ہیں تلخ اور غم فراز وہم و قیاس روح کی موسیقیتوں میں ڈوب جاتے ہیں حواس

شام کا مقصد نہیں ہے صرف تخلیقِ جمال! دے رہی ہے بزمِ قدرتِ عوتِ فکر و خیال!
 کر رہا ہے کوئی دُور پر وہ بشر کا احترام گوشِ دل سے سُن فرافطرت کا نورانی پیام

کاش یوں سموار ہو جائے زمانے کا نظام
کر سکیں اہل جہاں اک دوسرے کا احترام

عقل صرف گم رہی ہے ہوشِ وقفِ اختلال ! آہ کیا ہو گا ہوسِ زائیدہ ذیسا کا مال !
مذہبِ انسانیت سے ہے خرد کو استرازد زندگی ہے یا جہنم کی عقوبت کا گداز !
کیا یہی دنیا ہے لفظِ کُن کی جو فیس ہے عشق کے ذوقِ جہاں سازی کی یہ تعبیر ہے

وہمتِ تخیل میں جب ڈوب جاتا ہوں کبھی ! اور چھا جاتی ہے دل پر ایک گہری بھجودی !
آنکھ سے ستور ہو جاتی ہے بزمِ آب و گل جگمگا اٹھنے میں دورِ فکر سے اعماقِ دل !
زندگی کی عظمتوں کے راز ہوتے ہیں عیاں اور نظر آتا ہے اک پیرامن نورانی جہاں
گو نہود اُس سطح پر دنیا کا آنا ہے محال ہے مرے پیغام میں مضمر حقیقت کا جلال

جب محبتِ مذہبِ اہل جہاں ہو جائے گی

کائناتِ اکِ وادیِ حُبّتِ نشاں ہو جائیگی !

خلوتِ حسن

ویدنی ہے ہمیشہ خلوت میں اُن کا مضطرب
 چھوڑ ہی ہوں جیسے انکو میری نظر میں بار بار
 بیٹھے بیٹھے بخود ہی میں مسکرا پڑتے ہیں وہ
 جھوم کر فرطِ خوشی سے کھل کھلا پڑتے ہیں وہ
 پھر کسی احسانِ نہاں کے اثر سے یک بیک
 جھللا اٹھتی ہے انکے رخ پر خجی کی جھلک
 دیکھتا ہو جبے اُن کو کوئی چھپکے پاس سے
 دل میں کچھ محبوب بوجاتے ہیں اس احساس کے
 تازگی کی اک لہر شامل جس میں ہو رنگِ حب
 چاند سے ماتھے پہ بوجاتی ہے ہنس کے بے نقاب
 دیر تک رہتا نہیں لیکن تکلفِ برتار
 خود بخود ہوتی ہے پھر دل کی حقیقت آشکار
 دلِ باچہرے پلوٹ آتا ہے پھولوں کا نکھار
 سننے لگتا ہے ہر اک عضوِ حسیں بے اختیار
 رقص کرتے ہیں محلِ کرناز سے زلفوں کے بال !
 گدگداتا ہے انہیں میری محبت کا خیال

اُن کے یسبِ نگ چھپ کر دیکھتا رہتا ہوں میں

مجھ سے کچھ کہتا ہے دل اور دل سے کچھ کہتا ہوں میں

آفتاب و ماہتاب

جدا ہے تیری طرف سے دوست میری روش تجھے ملی ہے مباحث، مجھے ملی ہے تپش
 تری نگاہ میں غلطاں ہیں چاندنی آئین مری نظریں گاہاں ہیں عشق کی گھاتیں
 تری سرشت میں ہے برگ گل کی شیرینی مے مزاج میں طوفاں کی وحشت آئینی !
 تو ایک ہی قریح ہے میں ایک ابر جنوں ! میں ایک شعلہ آتش، تو بادِ گلگوں !!
 میں ایک جھونکا ہوں طوفاں کا تو ہے موج نسیم مگر کمال ہے باوصف اختلافِ عظیم !
 پناہ دی تجھے قدرت نے میرے پہلو میں ملا نشاطِ دو عالم مجھے نری خو میں !!
 ترے بغیر مکمل نہیں حیات مری !! مرے بغیر ہے تاریک کائنات تری !

تو حسنِ زلیست ہے میں التہابِ ہستی ہوں !

تو ماہتاب ہے میں آفتابِ ہستی ہوں !

رات کا فلسفہ

طلسم آ رہے تاروں کی عظیم الشان خاموشی!
 فضائیں اڑ گھکتی ہیں، دہر پر طاری ہے ہوشی!
 جہاں اک خواب حیرت آفریں معلوم ہوتا ہے
 خیالوں کی طلسمی سر زمین معلوم ہوتا ہے
 اگرچہ موت قابض ہو گئی ہے بزم ہستی پر
 خموشی چھا گئی ہے ہر بلندی اور پستی پر!
 مگر یہ وقفہ آرام ہنگامہ بد امن ہے!
 یہ شب صبح جنوں انگیز کی شورش کا مخزن ہے
 تھکاوٹ دور کرتی ہے حیاتِ مضحک، سوکر
 اٹھیں گے زندگی کا شور و غوغا تازہ دم ہو کر!!

حوادثِ پنہال

وقت گہری سوچ میں ڈوبا ہوا غرقِ خیال ! شب کے سناٹے میں اک مبہم سا ادراکِ آمل
 بعض خاموشی سے روح زندگی کھینچتی ہوئی کل کے ہنگاموں کی اک فہرت سی بنتی ہوئی
 مضمحل اعضا میں اک دیدہ قوت کا ظہور ! سر میں تدوینِ فراستِ دل میں تالیفِ شعور
 حُسن کی پیروگی میں برقِ لہر راتی ہوئی عشق کی ڈوبی ہوئی نمنفوں میں جان آتی ہوئی
 عقل کے اوامام تانہ دام پھیلاتے ہوئے ربطِ سود و زیاں کے تار تھرتاتے ہوئے
 رات کے پنہاں حوادث کا سسل انماک اک سکوتِ پفسوں میں شورِ شول کا اشتراک
 دہر کی تاریخ کا اک دن جنم لیتا ہوا ! وقت کی کشتی کو ملاحِ اذل کھینتا ہوا !
 ایک پُر اسرار خاموشی کا بحرِ بیکراں ! اور اس میں وقت کی افسانہ خواں کشتی دہاں

نیند میں ڈوبی ہوئی ہر شے جنوں پر دوش ہے

رات کی خاموشی دنیا حشرِ در آغوش ہے !

بیتے ہوئے دنوں کی یاد

بچھڑی ہوئی جوانی کیوں یاد آ رہی ہے کیوں دل دھڑک رہا ہے کیوں جان ہمارہی ہے
 مستی بھری ہوائیں، لہر کے آہنی ہیں ! اور روح مضحک نرپشتر چلا رہی ہیں !!
 مدہوش چاندنی نے ناشاد کر دیا ہے ! ویرانِ دل کو غم سے آباد کر دیا ہے !
 گزرے ہوئے زمانے پھر یاد آ رہے ہیں بھولے ہوئے فسائے پھر یاد آ رہے ہیں !
 رنگین زندگی کے جلوے چل رہے ہیں دل میں اُتر رہے ہیں، دل کُسل رہے ہیں
 اُفتِ نشاط کے دن اُت وہ خوشی کی لہریں وہ پیر و رات نکھیں، وہ کیفِ بارِ باتیں !!
 ہر سانسِ زندگی کا اک ہر تیشِ فسانہ ہر اکِ نفس کی نو میں انوار کا خزانہ
 ہر باتِ آسمان کو سر پر اٹھائے رہنا اُلفت کے گیت گاکر دھو میں مچائے رہنا !
 ہر روز مست رہنا، ہر شبِ شرابِ پینا وہ بے دریغ پینا، وہ بے حساب پینا !!
 وہ شوق و آرزو کے ہیجان اب کہاں ہیں وہ شادمانیوں کے طوفان اب کہاں ہیں

اک خوابِ دلنشین سے بیدار ہو چکا ہوں؛
دُنیا کے حادثوں سے دوچار ہو چکا ہوں

دعوتِ طرب

اے دوست! اٹھ! اور چارہ ہر دردِ نہاں کر چوم آنکھ سے ساغر کو نگاہوں کو جواں کر
فرقت کی سیہ رات کا جالسِ فساد ساتی کی ہسکتی ہوئی دلفوں سے بیاں کر

وہ رات

اب تک ہے یاد وہ شبِ مہتابِ مہنیش! جو بن کے رہ گئی ہے بس اک خوابِ مہنیش!
تیرے لبوں پہ چھپا یا سہواً اک سرورِ تھا ہلکے سے اک لطیف تبسم کا نورِ تھا!

مغمور چاندنی میں تیرا سپیکر حسیں معلوم ہو رہا تھا کوئی خوابِ عنبریں؟
 اُڑا ہوا تھا عرش سے اک کیفِ سرمدی پھیلی ہوئی تھی بربطِ زہرہ کی راگنی !!
 تیری جی سین زلفوں پر تھی چاندنی نثار! قربان ہو رہی تھی ترے جسم پر بہار!
 زلفوں کی طرح بکھرے ہوئے تیرے ٹارختے میرے حواس تیری نظر پر نثار تھے
 تیری ہر ایک سانس میں تھی مے ملی ہوئی! میرے جہانِ دل کی کلی تھی کھلی ہوئی !!
 میں تھا مرا غور تھا اور تیری ذات تھی! اے ہمیشہ وہ رات بھی کیا مستات تھی

وہ رات پھر بھی آئیگی کیا پوچھتا ہوں میں!

اُس رات کی تلاش میں کھویا گیا ہوں میں

حوادثِ ناگزیر

مے دے کر یونہی دہر میں رونے ہے ہمیشہ تقدیر میں لکھا ہے جو ہونا ہے ہمیشہ
 مے پنی کے ذرا دیکھ لیں ہم نور بھرے خواب ظلمات بھری نیند تو سونا ہے ہمیشہ

اسرارِ حیات

چھا گیا ہے رات کا جادو جہاں بڑا گہاں
 جھللا اٹھے ستارے آسمانِ ناگہاں !
 ہلکا ہلکا اب بھی چھایا ہے مغرب کی طرف
 مضمحل سا کچھ سماں پیدا ہے مغرب کی طرف
 بادلوں کی تیرگی میں چاند بھی ہے جلوہ گر
 غلمتوں میں دھیمی دھیمی روشنی ہے جلوہ گر
 شب کا استغراق اور ایامِ رفتہ کا خیال
 کس قدر زنجیریں صبح و شام رفتہ کا خیال !
 گم ہیں سنجیدہ نگاہیں محفلِ افلاک میں
 فکر کے موتی ہیں رخشاں دامنِ ادراک میں
 کل فضا ئے دہر تھی معمورِ انوارِ طرب !!!
 محفلِ دنیا نظر آتی تھی گلزارِ طرب !
 آج لیکن ایک غمخانا ہے بزمِ کائنات
 ایک وحشت خیز ویرانہ ہے بزمِ کائنات
 کیا تم ایجاد دینا کا یہی دستور ہے !
 کل جو دل اک پھول تھا وہ آج اک نامور
 آج اک روش پر ہی نہیں قائم نظامِ کائنات
 ہے تغیرِ آستانِ قائم نظامِ کائنات !
 نچ ہے تو رنج میں آمیزشِ راحت بھی ہے
 چاردن کی زندگی دوزخ بھی بہشت بھی ہے

محفلِ عشرت میں ہے سامانِ بزمِ غم کا بھی ساغرِ غم کی رگوں میں خوں ہے جامِ حم کا بھی !

عارضی ہے رنجِ تو راحت بھی ہے ناپائدار آرزو فانی ہے اور حسرت بھی ہے ناپائدار

لیکن ان نیرنگیوں کی کوئی آخر حد بھی ہے آدمی کی زندگانی کا کوئی مقصد بھی ہے !

ایک ہنگامہ بپا ہے محفلِ آفاق میں ! بجلیاں بیتاب ہیں خونِ دلِ آفاق میں

نعرہ زن ہیں ماؤں ہوئے محفلیں آیام کی ہیں یونہی زور آنا آویزشیں اقوام کی !

ہے ازل سے دشمنِ تفتِ دیر کا آزار بھی ساتھ جس کے گرم ہے تدبیر کا بازار بھی

زلیلت کے ہاتھوں میں لیکن موت ہی کا جام ہے کیا ہماری زندگی کا اک بھی انجام ہے

چونکتے ہیں قلبِ گیتی میں شر اور اک کے یعنی دلِ بن کر دھڑک اٹھتے ہیں خاک کے

نغمہ زن ہوتا ہے خوابیدہ فصائیں سازِ غیب ناگہاں کلنوں میں لڑتی ہے اک آوازِ غیب

لے اے سیرِ دم اے سحرِ تنویرِ خیال سُن رہا ہے کتنی محویتِ تقریرِ خیال !

کیا گذر جاتے ہیں یونہی روز و شب تیرے کیا نظامِ دہر ہے لہو و لعب تیرے لئے

بے خبر ہر لمحہ تیری عمر کا نایاب ہے !!! یہ خبر ہر لمحہ فروں عمل کا باب ہے

بے نیازِ رنج و راحت ہو کے کوئی کام کر جاوے حسنِ عمل سے قلبِ گیتی رام کر!
 ہو سکے تجھ سے اگر ٹوٹے ہوئے دل جوڑ دے غم کے آنسو بونچھ کر ٹوٹے ہوئے دل جوڑ دے

جو یہاں اپنی ہی دھن میں غرق ہو رہا ہے
 اُس کی ہستی غم زدہ دنیا کو بارِ دوش ہے

بادۂ ناب

وہ شرابِ ناب پلا مجھے جو بہشتِ کیف و سرور ہو!
 وہ شراب جس میں ذرا سا رنگ ہو ہلکا ہلکا سا نور ہو!
 وہ تجلیات کی جان جس سے نظر میں نور جھلک اُٹھے
 وہ تاثرات کی آگ جس میں گدازِ شعورِ طور ہو!

سکوتِ نیم شب

گذر گئی نصف شب، ستارے اُسی طرح جھلدار ہے ہیں !!

فلک کے زریں نگار خانے میں اپنے جلو سے دکھائیے ہیں

سکوت کی بے پناہ محویتوں میں ڈوبی ہوئی ہے دنیا !!

سکوت کے میٹھے میٹھے نغمے جہاں کو بے خود بنا رہے ہیں !

فضاؤں میں منجمد ہیں نغموں کے سیل آشوبِ حسن بن کر

ہواؤں کے ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکے بہارِ حُبّت لٹا رہے ہیں

یہ معرفت پردہ طلسمِ جمال بن کر ڈھلک رہی ہے !!

کہ فرش پر عرش کے لکیں چاندنی کے دریا بہا رہے ہیں !

وہ چرخ کی نیلی نیلی جھیلوں میں چاند کا درنگا رہا !

وہ چشمہ نور جس کے سیلاب میں فرشتے نہا رہے ہیں !

وطن سے دُور ایک اجنبی سرزمین میں جمیل منظر

مری نگاہوں سے خواب کی مستیوں کا جادو اڑا رہے ہیں !

خیال کی سحر کار کیفیتوں میں معدوم ہو گیا ہوں !!

خیال مضرب بن کے دل کا حسین بربط بجا رہے ہیں !

کوئی ستمگار یاد آئے کے دل میں نشتر چھبورا رہا ہے !

خبر نہیں جس کو یاد کرتا ہوں جاگتا ہے کہ سو رہا ہے !

جذباتِ محبت

روح میں کیوں سما گئے ہو تم میری ہستی پہ چھا گئے ہو تم !

دل کو مخمفون کر دیا تم نے ہوش کا خون کر دیا تم نے

دل ہے مند، تم اسکی حرکت ہو اے ! تم کتنے خوبصورت ہو !

دور رہتے ہو ماہر کیا ہے؟ جو رہیجا سے مدعا کیا ہے!!

مجھ سے جتنا گریز کرتے ہو! میری وحشت کو تیز کرتے ہو!

دن کو گو ضبط کر لیا میں نے ضبط کر کر کے مر لیا میں نے

شب کو یہ خدمتِ محال کہاں رات کو ضبط کی مجال کہاں

رات کی حشر خیز خاموشی خاموشی کی عمیق سرگوشی!

دل سراپا خیال ہوتا ہے اور تمہارا جمال ہوتا ہے! ۲

رنگ لاتا ہے جوشِ آہوں کا! بہہ نکلتا ہے سیلِ اشکوں کا!

روحِ مخنوس یاد ہوتی ہے آنکھ وقفِ نماز ہوتی ہے!

کاش ایسے میں تم کبھی آؤ!! آ کے اک بار دیکھ ہی جاؤ!

لیکن ایسے مرے نصیب کہاں

تم کہاں اور میں غریب کہاں

ایک لمحہ

بیخودی گھل مل رہی ہے رفتہ رفتہ ہوش میں جاگتا ہے اک تصور ذہن کی آغوش میں !
 اک تصور زندگی کے اک حسی لمحے کا خواب خواب جس کا نڈر چلے طلوع ماہتاب !!

وہ میرے محرابِ در سے اس طرح گزرتے ہیں جیسے اک اجڑے ہوئے مندر میں داخل ہو سیم !
 آہ اس شاعر کا گھر جو ہو پرستارِ جمال ! ہوں دستارِ پائیز عشق کی جس کے خیال !
 معبدِ ویراں نہیں تو اور کیا ہے ہمنشیں ! ایسا معبد جس کو کہئے اک مناجاتِ حسیں !
 جسکے ہر ذرے کو ہو اک دیوتا کا انتظار ! جسکی ویرانی کا صلب ہو حُسن کا انتظار !

شام کے حیرانِ ہند لکوں میں تھا ان کے رکاز اور خوشی سے ٹپکتی تھی محبت کی ماز !
 بیسے گھر کی شمع میرے عشق کی غماز تھی ناتواں سی روشنی میں دلی آواز تھی !!

رو برو بیٹھے تھے وہ میرے اور انکی ہر نظر کر رہی تھی مجھ کو اسرارِ بقا سے باخبر!
 آہ! ادراکِ الوہیتِ حسنِ لازوال مٹ چکا تھا دل سے اس دُنیا کا ہر فانی خیال
 اوزماتے! میرا وہ لمحہ بھی تیرے پاس ہے
 اپنے روحانی خسارے کا مجھے احساس ہے

بہارِ شام

یہ نشہِ فضا پہ محیط ہے کہ نظر رہیں خسار ہے
 یہ شفق کی لہر ہے جلوہ گر کہ خدنگِ ہوشِ فکا ہے
 یہ بہارِ شام، یہ متغزلِ جوئے بار، یہ محویت
 کوئی نغمہِ مطربِ خوشنوا، ترانغہِ جانِ بہار ہے

جوانی کا صلاح

غمِ الفت کے طوفانی سمندر کا کنارہ ہے! کہ جس کی موجِ تنہا موت کا خوریزا ہے
 یہ وہ وحشتِ کردہ ہے زلزلے جس میں محبتیں ہیں یہ مقتلِ جو جس میں موت کے چشمے اُبلتے ہیں!
 اندھیری راتِ طوفانِ ابرو باد کا منظر! یہ بہیتِ زلفِ فضا، یہ فطرتِ آواز کا منظر!
 گرج ہے بادلوں کی یادِ ماؤں میں یہ نثرِ نکلی فنا ہو جائیں جسکے خوف سے روحیں دلیر نکلی!
 یہ خویشِ انبیا کیا انتہا کا پیشِ خمیہ ہے یہ کالی رات کیا روزِ جزا کا پیشِ خمیہ ہے
 یہ فردوں کی بستی پر چڑھائی ہوئی والی ہے کہ آپس میں فضاؤں کی لڑائی ہوئی والی ہے
 یہ بیٹھے بیٹھے کیا جوش آگیا ہے دیوتاؤں کو وگراؤں کر دیا ہے سب سمندر کی فضاؤں کو
 سمندر اتنا طوفانی ہے ساحل ٹوٹ جائینگے سمندر میں وہ طغیانی ہے ساحل ٹوٹ جائینگے

ایسے یہ کون عورت ذاتِ اُمّیٰ فرستِ ساحل سے یہ کیسی خود پیدا ہو گئی ہے عرشِ ساحل سے

یہ ظلمتِ بہ تلاطمِ یہ فضا کی حشر سامانی سفینہ بے چلی آغوشِ طوفان میں دیوانی !

اری ناداں ٹھہر جانا یہ کشتی ڈوب جائیگی !
یہ کشتی ٹوٹ کر پھر اس کنارے تک آئیگی !

وارداتِ شب

دوسرے طاری ہے اک پُراسن اور خاموش رات دامنِ راحت میں آسودہ ہے بزمِ کائنات !
روح کی تسکین کا حامل ہے دنیا کا نظام ! نرم رُوٹھٹی ہوا کا جانفزا دل کش خرام
کہکشاں تاروں کی محفلِ شب کی خنک کیفیت مست جلووں کا بستہ ناز کی نکلتِ سرور
اک رو پہلے کیف میں بھیگی ہوئی سرگوشیاں داستانِ دردِ داستان کہتی ہوئی خاموشیاں
ایک گہرے سردی پیغام کی دہندگی سی صوفی بزمِ آج کل میں انوارِ طرب کی مستِ رُو
گھل رہی ہیں دل کی آنکھیں اٹھ رہیں جھلک ہورہا ہے رفتہ رفتہ روتے فطرت بے نقاب

تو رِاحت سے منتور ہیں زمین و آسماں !! دھل گیا ہے اک نئے سانچے میں کہنہ تنگداں

تفرقے معدوم جھگڑے ختم، منگٹے خموش !! دوسرے صلح و اشتی، کیفیتِ صہبافروشن !
دیدنی ہے رات کی کیزنگ دنیا کا وقار ہو گئے ہیں متحدہ زور اور سرمایہ دار

ہمنشیں ہر چند بے پایاں ہیں غمبائے حیات اک پرانا عکدہ ہے یہ مکدر کائنات
جتنے عقے زندگی کے کھولتا جاتا ہوں میں سب کی تہ میں غم کا گہر فلسفہ پاتا ہوں میں *
دل رہے ہیں جب قدر اسرارِ مستی کے سرانغ بڑھ رہے ہیں عین اسی قرار سے سینے کے داغ
ہو رہا ہے جو اضافہ دل کے معلومات میں بھر رہا ہے آتش جاشوزِ محسوسات میں
ہمنشیں ہر چند ناسعود و دوست کے غلام کر رہے ہیں بے محالاً اویسیت سوز کام
لٹ چکا ہے ہر غریب انسان کے دل کا قرار! ہو چکا ہے دامن ضبط و سختل تار تار
بجلیاں لہر رہی ہیں دہر کی تنظیم میں !! عدل کا فقدان ہے سرمائے کی تقسیم میں !

پھر بھی اکشر جلوہٴ نورِ سرت کی ضیا! ہو ہی جاتی ہے زمانے کی جہیں پر رونا
 وہ نشاطِ روح جو اس بزم سے مفقود ہے رات کے راحت بھر کلمات میں موجود ہے
 گوزمانے کا ہر اک اندازِ خونِ آشام ہے دن کی مزدوری کا حاصل رات کا آرام ہے
 باہر دروالم، رنج و سلق، سوز و گداز ہو ہی جاتا ہے ہر اک انسانِ حق درخت کا باز
 کاش رازِ زندگی دنیا کے نل کھل سکے
 چہرہ گیتی سے گردِ نامرادی دھل سکے

بے بسی

مجبوریِ اہلِ حقیقت نہیں جاتی! عادت تو خلی جاتی ہے فطرت نہیں جاتی!
 شکوہ بھی ہے پر ایہ ترے ذکرِ حسین کا! بے بس ہیں شکرِ تری الفت نہیں جاتی!

حدیثِ دوست

بزمِ جسم کی روشنی کی قسم صبحِ خنداں کی نازگی کی قسم
 آسمان کی نگاہ شاہد ہے ! قلبِ گیتی کی آہ شاہد ہے !
 نصفِ شب کے سکونِ کامل میں ! خامشی کے فسونِ کامل میں !
 جب جہاں مجبورِ خواب ہوتا ہے لہرِ شرگہری نیند سوتا ہے
 دل میں اٹھتا ہے دردِ ہلکا سا ہلکا ہلکا سا اٹھتا میٹھا سا
 ایک سرِ دواہب پڑتی ہے رُوح جیسے زباں ہلاتی ہے
 بے خودی کی عمیق کیفیت ! رات کی بے پناہ محویت !
 رُوح کو خواب سے جگاتی ہے دوست کی استاں سناتی ہے
 دُید بانی ہوئی نگاہوں سے ! رُوح کی ان لطیف اہوں سے
 چپکے چپکے گزر کے آتا ہے اور مرے دل میں سمجھ جاتا ہے

دل کی دھڑکن ہے گفتگو اُسکی
ہر نفس میں نہاں ہے بُو اُسکی

اُمید

گو ترغ کا ہر نقش ہے دُہند لا مرے آگے
رہنے دو تم اپنا رخ زیبامرے آگے
پڑاں ہے یونہی برق کی مُعرت سے ابتدا تک
اُمید کی خوشیوں کا جب زیر امرے آگے

وطن کو مراجعت

✓

دھڑک رہا ہے دل بے قرار سینے میں لرز رہا ہے جنوں کا شرار سینے میں
ہر اک نگاہ سے پیدا ہے شوقِ دیدِ وطن کشاں کشاں لئے جاتا ہے شوقِ دیدِ وطن
وہ کیف ہے، وہ خوشی ہے، وہ مقیاری ہے رگوں میں خون کے بدلے شراب جاری ہے
جگر گداز ہے جذبات کی فراوانی ذرا سا دل ہے مگر اس میں اتنی طغیانی؛

ٹھہر ذرا دلِ وحشی ٹھہر خدا کے لئے مجھے ہلاک مسرت نہ کر خدا کے لئے
ٹھہر کہ ضبط کی حد سے نہ میں گزر جاؤں
خوشی سے راہ میں ظالم کہیں نہ مر جاؤں

وارداتِ امروز

انسانوں بے خودی کا عمل بکیراں ہے آج دل بے نیازِ مہستی کون کہاں ہے آج
 ڈوبی ہوئی ہے جب میں رفتارِ زندگی اک کیف ہے کہ ہوش کی رُخ وں ہے آج
 کیا تذکرہ ہے ارض و سما کے وجود کا ہر چیزِ محویت کے ہوا بے نشاں ہے آج
 رعنائیِ مجاز میں ہیں وہ تجلیاں !! رعنائیِ مجاز میں گم سب جہاں ہے آج
 اک پُر بہارِ روحِ فضا جو تبار میں ! محوِ حرامِ شتیِ عمرِ رواں ہے آج
 بتیا بے عناصرِ دل میں خوشی کی لہر ہر انس میں گدا دِ مُسرت نہاں ہے آج
 پھر کاروبارِ شوق کا بازار گرم ہے !! پھر دل سے محوِ کاوشِ سوزیاں ہے آج
 پھر افتتاحِ جلسہ عیش و نشاط ہے ! پھر اتہامِ زندگی کا مراں ہے آج

حُسن اپنے کیف و ناز سے سرشار ہے عدم
 عشق اپنے سوز و مانے سے آتشِ کجبل ہے آج

کوہسار

بسی ہوئی ہے مناظر میں روحِ حُسن کہن ! یہ سبزہ زار، یہ شاداب و پُربہار چمن !

یہ کوہسار، یہ رنگین بادلوں کا وطن !

یہ رداؤں میں لپٹے ہوئے پرخانے فضا کی گود میں سرستیوں کے کاٹانے

گھٹل کے لب پہ شباب جنوں کے افسانے

بلند و پست پہ اک حُسنِ ہمدی کا نکھار خنک سی ہو پُشوں خیر چھاؤں روح بہار

طلسمِ جلوہ و طوفانِ رنگ و موجِ خمار ! !

ہنیں ہے حسن کے چہرے پہ کوئی پڑے از حقیقتوں سے ہم آہنگ ہے سرودِ مجاز

حواس کیف سے لبریز، روحِ نغمہ طراز



یادِ وطن

وطن کی پیاری پیاری سڑکیں سے گزرتے ہوئے
 وطن کی ارضِ حُبّتِ آفریں سے گزرتے ہوئے
 سرخی خاموش اور سناں اتوں کی فضاؤں میں
 سرخی مدہوش اور بجان اتوں کی فضاؤں میں
 بساطِ چرخِ پر سبھی ہے جب محفلِ تاروں کی
 نظر آتی ہیں شکلیں ننھے ننھے نا پاروں کی
 محیطِ آسمان جب بیخودی میں غرق ہوتا ہے
 یہ تیرہ خاکِ دال جب بیخودی میں غرق ہوتا ہے
 فلک سے تختِ جب نیندوں کی لٹکیں اترتے ہیں
 ہوا کے مست بھونکے دہر کو سرشار کرتے ہیں
 سکوں جب حکمِ راہ ہوتا ہے شورشِ گاہِ ہستی پر
 خموشی ثبت ہوتی ہے ہنگاموں کی بستی پر
 تو کوئی مطربِ انورِ نغمے چھیڑ دیتا ہے
 جنوآں موزہ اور دانگیرِ نغمے چھیڑ دیتا ہے
 تو ایںِ وجد میں لہر کے اٹھتی ہیں فضاؤں میں
 فضا میں مست ہو کر ڈوب جاتی ہیں نواؤں میں
 نہیں کچھ بیکھتا یہ فسونِ دلربا کیا ہے
 طلسمِ صوت سے کیا حیرتِ عجیبِ انوار کیا ہے
 یہ کیا شے ہے جو افسرِ آسنگوں کو جگاتی ہے
 یہ کیا شے ہے جو دل میں دردِ کربن ڈھکتی ہے

وطن کی پیاری ساپری سرسبزیں سُنو رے ہمد
وطن کی ارضِ حنّت آفریں سُنو رے ہمد

یہ راتیں ہجر کے احساس کو بیدار رکھتی ہیں !

وطن کی یاد میں مجھ کو جگر انگار رکھتی ہیں !

دریا

اپنے دامن میں لئے پُرجوش ہیجانوں کا شور
سُندریلوں کا تلاطم ست طوفانوں کا شور
ہر قدم پر ساحلوں کے نِیل کو دھڑکتا ہوا
پتھروں کو پائے تنغنا سے ٹھکراتا ہوا
جنگلوں میں آنکھوں سے گئے گستاخ کرتا ہوا
بادلوں کے تہمتوں کی جستجو کرتا ہوا
بجلیوں کے ارتعاش آگیں تبسم پر نیشدار
اودی اودی بدلیوں کے حسن کا آئینہ دار
چلچلاتی دھوپ کے ناز و اداس ہوتا ہوا
تلملہ کر مضطرب انداز میں بہتا ہوا
سبزہ زاروں کی حسین زلفوں کو سلجھاتا ہوا
بیخودی کے کیف میں نہتا ہوا، گاتا ہوا

چاندنی راتوں کے جلووں پر فدا ہوتا ہوا شمع روتاروں کے جلووں پر فدا ہوتا ہوا
 صبح کے پُر نور جلووں کی ضیاء سے فیضیابا شام کے مخمخائے رنگیں کا سرست و خرابا
 سست ملاحوں کی ہمت کو جواں کرتا ہوا ناخداؤں سے ذرا اٹھکھیلیاں کرتا ہوا
 مسکراتا، کھیلتا، مہنتا، مچلتا، جھومتا! وجد میں آکر کنارے کی حسین کو چومتا
 مضطرب لہروں کے پیچ و تاب کا سرِ دُچار مقتضائے سوزِ فطرت سے سراپا اضطراب
 اپنی رگ میں چھپائے زندگی کی کائنات کامیابی سے کٹے جاتا ہے طے اوجیات

شورشِ مستی سے مل سکتا نہیں کیفِ جمود

اضطرابِ نیست کا پیکر ہے دریا کا وجود ۴



تاروں بھری رات

تاروں سے بھر گیا ہے دامنِ عروں شب کا کیا بن سُنو گیا ہے دامنِ عروں شب کا
افلاک کی حبیبیں پر تارے چمکے ہیں ! یا نیلگوں قبا میں موتی دکھائے ہیں !
یادوں دھڑکے ہیں دُنیا ئے آسمان کے یا منتشر ہیں جلوے انوارِ سبکراں کے
یارات کی جوانی جو بن دکھا رہی ہے ! دل کو لُجھا رہی ہے دُل میں سارِ ہی ہے
یا پھر زین کے جلوئے گردوں میں آگئے ہیں لمعاتِ جگنوؤں کے زُفت پہ چھائے ہیں !
جا کر یہ کون پوچھے، پُر نور آسمان سے ! یہ ننھے ننھے جلوئے آئے ہیں کس جہاں سے
خاموشیوں کی نے میں جاو و بھرا ہوا ہے نعموں کا سحرِ نیندیں بن بن کے چھایا ہے
اک محویت ہے طاری ارضِ مسما کے دل پر ملکِ فنا کے دل پر، ملکِ بقا کے دل پر
سُست ہیں مٹی میں سرشار ہیں فضا میں ! پھیلی ہوئی ہیں شرب کے انوار کی قبا میں !
دُنیا کی مخلصیں سب خاموش ہو گئی ہیں ! راحت کے جامِ پی کر مدہوش ہو گئی ہیں !

یارات کی نگاہیں نیندوں سے بخیر ہیں !

یا میری سرداہیں نیندوں سے بخیر ہیں !

نگاہ شوق

تمہارے حسن کو میری نظر لگی ہے ضرور

کہاں ہو پہلے سے تبدیل ہو گئے ہو تم !

خدا کرے میری آنکھوں سے نور چھین جائے

نگاہ شوق میں تحلیل ہو گئے ہو تم !

پروانہ

اے سراپا گداز پروانے ملہتبِ عشق تیرے پروانے
 بامراد اور کامگار ہے تُو! مہربِ عشق کا وقار ہے تُو!
 کیا ابد تاجِ حیات تری! کیا منور ہے کائنات تری!
 اُن تے آج گل میں کیا شہر دل ہے سینے میں دل میں کیا شہر
 شمع خاموش جلتی رہتی ہے آگ کی لُو نکلتی رہتی ہے
 پہلے اُس کا طواف کرتا ہے عشق کا اعتراف کرتا ہے
 اور پھر بے خوئی میں گم ہو کر نشہِ سردی میں گم ہو کر!
 خوب دل کی لگی کھاتا ہے شوق سے آگ میں نہاتا ہے

عشقِ نغمہ ہے اور راز ہے تُو

وہ حقیقت ہے اور مجاز ہے تُو

”دھم دھم“

طلحے کی گرج میں بے پایاں اعماق کی اک آبادی ہے

رومان و جنوں کی واوی ہے

خوابوں کے اندھیرے میں سنپاں

تخیل کے تیروگوشوں میں!

اک برق سی ہے پیہم لہزاں

کس غاسکے دل کی گونج ہے یہ وحشت کا بتسم ہے جس میں

ساون کی اندھیری آؤں میں!

دریا کے جنونی دہارے پر

جیسے کوئی دیوانی عورت!

کشتی میں ہے تنہا محو سفر!

دھم دھم ہے کہ طوفان اٹھتا ہے تاریک سمندر کی تہ میں !!

ہنستا ہے جنوں کا اک بادل !

اور ٹوٹ کے گرتے ہیں تارے

پُر ہنول فضا کے دامن میں !

اُف رقص جنوں کے نظارے

دل ڈوبتا جاتا ہے میسرا سن سن کے نوائیں طبلے کی !

موجوں کے تھپیڑے ہیں گویا مجنون صدائیں طبلے کی !

وہ ماہتاب

آئے گا آج گھر میں سب پر پھر وہ ماہتاب اُڈی ہوئی گھٹا کے سوا لا کا جواب

جام و مے و رباب کا موضوعِ گفتگو گاتی ہوئی ہواؤں کا گنگنیں مست خراب

بہار

ہواؤں میں خما ہے ٹھنڈاؤں میں کھلا ہے جمالِ بے پناہ کا شراب بے قرار ہے
 بھڑکے ہی ہے زندگی جوانوں کی آگ میں جوانوں کی آگ شعلہ کن رنگ آگ میں
 سرود و قص کی صدا کہ میکدہ بدوش ہے ہراک نوائے زلفش کہ مس می فروش ہے
 لرز رہی ہے روح کے حسین نغمہ زار میں جنونِ رقص کر رہے دل کے تار تار میں
 بھگو دیا ہے ہوش کو بہار نے شراب میں کہ ہوش جذب ہو گیا ہے اک حسین رخِ اب میں

نیا نیا یہ شوق اور نئی نئی جوانیاں! بہارِ بن کے جھوٹے گلے کئی جوانیاں!
 بہار کے فنون سے حیات زنگا ہے مگر خزاں کا خوف اک پیامِ دلفکا ہے
 غمِ خزاں نہ سہہ سکے گا قلبِ مضحک مرا!
 بہار میں ہی ٹوٹ جائے کاش سا زول مرا!

خوابوں کی سرزمین

جس سرزمین میں میر خوابوں کی لنتیاں ہیں جس سرزمین کے منظر شاداب جواں ہیں!

اس سرزمین کو لے چل ہر سرزمین کہاں ہے

جس سرزمین میں نغمے مائچوں میں ٹھل جہیں موسیقیوں کے پر تو ہر سو چل رہے ہیں

رنگین بدلیوں سے تارے نکل رہے ہیں

تاروں کی چھان میں پیس فی ہوئی فضا میں! نیندوں کے کیف میں کھس فی ہوئی فضا میں!

عشرت کے نور سے ہیں نہ ہوئی ہوئی فضا میں

جو سرزمین طرب و انعموں کی سرزمین ہے جس سرزمین کی ہر شے شاداب و حسیں ہے

جس سرزمین میں غم کا مطلق گزر نہیں ہے

جس سرزمین میں انساں ہر وقت گارے ہیں شام و سحر فرشتے نغمے سارے ہیں!

یزدان و اہرن بھی بر لب بجا رہے ہیں!

ایک مکتوب

(پیارے دوست ملک محمد اسٹیل کے نام)



غریب دوست! ہر نل میں بسنے والے دوست!

وہ دوزخیت کہ جس سے گزرا ہوں میں وہ تجرباتِ دل انگن جو کر رہا ہوں میں
 گلا ہے نطق و نظم میں سہ نہیں سکتے کہ لفظ بارِ معانی اٹھا نہیں سکتے
 بہت سی سادہ و معصوم دورِ باغوشیاں ہزار دلکش و شاداب و بے بہا خوشیاں!
 ہوا محتاجن سے محبت کا انتقال کبھی! سختی جن کے دم سے خشاں مئی ایک گم مئی!
 گئی ہیں ایسی کہ ان کا نشان نہیں ملتا نشاطِ رفتہ کا رنگیں سماں نہیں ملتا

کبھی نے شوق سے رُو اوارِ زو بھی سنی! مری فسر وہ نگاہوں کی گفت گو بھی سنی
 سکوت کا وہ لکھم جو ہے زباںِ دل کی! وہ خامشی جو ازل سے ہے تہِ جمالِ دل کی!

وہ التجائے نظر جس کو عشق کہتے ہیں! وہ اشک جن میں محبت کے در در بتے ہیں!
 مشاہدہ کیا اس نے تمام باتوں کا مرے خموش دلوں کا اداس راتوں کا!
 اور اب بھی حال سے میری وہ ناشائس نہیں! نہیں کہ اسکو سرے در و دل کا پاس نہیں!
 ہے اترام سے عشق کا اٹل سے! خداوندہ یہ دُجُوز میں محبت کے
 مگر ایس ہمارے ربط و نیاز و صدق و صفا ہمارے عشق کی رسوائیاں ہیں بے نچ فزا

غریب دوست! یہ دنیا عجیب دنیا ہے کہ حق کو بھی یہاں بدنامیوں کا کھٹکا ہے!
 دلوں کو ملتے ہوئے کون نکھیتا ہے یہاں گلوں کو کھلتے ہوئے کون چمکتا ہے یہاں
 وہ چیز جس کا خدا اترام کرتا ہے زانہ اس کا ہمیشہ سے نام دھرتا ہے

زانہ مارچکا مجھ کو، کرچکا پا مال!! ہے سامنے مگر اپنی بقا کا اب تو سوال!
 وہا ہوں جتنا، اب اتنا مجھے ابھرتا ہے جدید شان سے تجدیدِ زیست کرتا ہے

کہوں گا اس کو اے العزیم اہل دہر، خدا زبانِ خلق کی مجھ کو نہیں سب پر وا!

میں بے شعور مئی دنیا پہ سکر اؤں گا! کہ ہو کے دہر میں بدنام جھوم جاؤں گا!

جہاں کی عقل کا کیا دخل میرے کاموں میں میرے حسین ذل میں لطیف ثناتوں میں!

جنونِ عشق پہیں ناز کر کے چھوڑوں گا!

جہاں کو اب نظر انداز کر کے چھوڑوں گا!

اندوہِ فراق

بہت عمیق ہے جانسوزیِ فراقِ حبیب ہوائِ رُحِ تپاں کو کبھی سکون نصیب!

نسیمِ صبح نے پھر دل کو کر دیا بیدار لگی تھی پچھلے پہر آنکھ سو گیا تھا غریب

شام کو ہمار

بادلوں میں رنگ، رنگوں میں بہاروں کا سماں حسنِ مستی کا تلاطم، لالہ زاروں کا سماں
 چاندنی راتوں کی خنکی ہوپ میں حل کی ہوئی بادلوں نے مجھ کے روستِ کرم سے پی ہوئی
 وقت نے اک روح پرور راگنی گائی ہوئی شام کی ملکوں پہ ہلکی سی شفق چھائی ہوئی
 کوہساروں کی روپلی مٹھنڈیوں کے غیا شعریت کی ستیاں، تنگینِ خوابوں کے دیا
 شام کے طلعت کدے میں اک فسوںِ رزنگا نکھتیں، شادابِ حلے، حسنِ فطرت کا نکھا
 روح کے سرشار ہو کر جھومنے کی کیفیت دل کی دہکن کو کبھی کے چومنے کی کیفیت

خود فراموشی کا عالمِ مستیاں چھائی ہوئیں !

پاک نورانی آنکھیں جوش پر آئی ہوئیں !

افسردگی

آتش جذبات کے طوفان کیسر مٹ گئے وہ جنوں کے یل، وہ ہیجان کیسر مٹ گئے

صحنِ گلشن ہیں وہ کلیوں کے چٹکنے کی صدا

مست باتیں سُنیں کہ جابوں کے کھٹکنے کی صدا

وہ گھٹائیں وہ ہواؤں کے سنکنے کی صدا

وہ بہار و طلعت و رومان کیسر مٹ گئے

وہ حسیں سرشار راتیں اک فسانہ بن گئیں ! وہ نوائیں عہدِ باضی کا ترانہ بن گئیں !

بزمِ مے میں گھر منے الی نگاہیں سُجھ گئیں !

مست ہو کر بھوسے منے الی نگاہیں سُجھ گئیں !

ساغروں کو چو منے الی نگاہیں سُجھ گئیں !

عشرتیں افسردگی کا اک بہانہ بن گئیں !

پڑ گیا ہے زرواب صہبا سے منہ دہویا ہوا سر ز میں لب اور آنکھوں میں سچ غم سویا ہوا!

نکتہیں اور رنگ اب لفاظی بے مفہوم ہیں!

نغمہ و صہبا کی سب کیفیتیں معدوم ہیں!

میں بھی ہوں مغموم قلب و رُوح بھی مغموم ہیں!

بیدی میں زلیست کا حس ہے کھویا ہوا

رہزہ رازِ افاق

ہزاروں مجھ ایسے ناتواؤں کو کھا چکی ہے زمین لیکن

نشانیہ ناوکِ حوادث ہیں سینکڑوں دلفگار اب بھی !

سیاہ بختوں کے غمگدے میں ہوتا تم کی صفت کبھی ہے !

نصیب والوں کی آرزوں کے قصر ہیں زرنکار اب بھی !

وہی ہوائیں، وہی فضایں، وہی ترنم، وہی تبسم !

وہی انگلیں، وہی رنگیں، وہی ہے جوشِ بہار اب بھی

خزاں کے گھر سے بہار انگڑائی لے کے بیدار ہو رہی ہے

بہار کے بے ثبات جلوں سے خزاں شکار اب بھی

مٹا دیئے گردشِ فلک نے پرانی تہذیب کے مراسم !

نئے تمدن کی کوششوں سے گرم اک کا زرار اب بھی

حیاتِ جاوید کی تمنائیں غرق ہیں سرکلفتِ مجاہد !

فنا کی طاقت پہ سکرانا ہے زندگی کا وقار اب بھی !

لٹے ہیں اس اوپے خطر میں ہزار ہا کاروانِ ہستی !

مگر ہیں جوشِ عمل میں پراں حیات کے راہوار اب بھی !

یہ شورشِ جاوداں تھمے گی عدم نہ اتنا کبھی بھتی ہے !

کہ منزلِ راہگزارِ آفاقِ خود بھی مصروفِ رہ رہی ہے !

بادل

مختلف ألوان میں دھندلاہٹوں کا امتزاج کوہساروں پر تخیل زاوِ غسانی کا راج
 مستیاں اور مستیوں میں عالمِ کیف و جنوں! بادلوں کی خواب گاہ دُھندلی ڈال کا فسوں!
 موجِ کیفِ رنگ میں مہمان سے اٹکے ہوئے جس طرح پر یوں پُچل خواب میں جھٹکے ہوئے
 ابرین کر ایک مے گوں راگنی چھائی ہوئی! فضا اک گیت کے مانند لہرائی ہوئی
 جھاگ کے مینار قائم، فغتن کے دوش پر یا سمندر کے تموج کا سماں پیشِ نظر
 خود بخود رنگوں کا اک شہکار سا بنتا ہوا! بادلوں کا پردہ زرتار سا بنتا ہوا!
 اک دُہرائی جس سے کیا صورتیں بنتی ہوئیں کیفِ ستی کی روپلی موتیں بنتی ہوئیں!

آسمان اک نیلیوں پردہ ہے جس پر وِ مبدم!
 وقفِ گلکاری ہے نقاشِ ازل کا مُہِ تسلّم

واوِ کائنات و محبت

یہ کس پر شور وادی کی فضائے فتنہ سماں ہے کہ جس کا ذرہ ذرہ عالم وحشت میں لرزائے
 بگولے اڑ رہے ہیں مثلِ نوکرِ فضاؤں میں ہلاکتِ تعیش ہے مضطربِ خونیں نواں میں!
 وہ ظلمت ہے کہ سہیت کا فرشتہ کانپ جاتا ہے وہ تاریکی ہے شیطانوں کا دل بھیجی ف کھاتا ہے
 فلک پر آتشیں سانپوں کے لہرانے کی حد ہوگی کہ مجلسِ بھلیوں کی آج ہوگی منعقد کوئی!
 لرز کر جگمگا اٹھی ہے جنگل کی فضا ساری چمکے تھر تھرا اٹھی ہے جنگل کی فضا ساری
 ہوا کی سرسراہٹ ہے کہ جنگل سانس لیتا ہے فضا کی گنگناہٹ ہے کہ جنگل سانس لیتا ہے
 یہ پُر اسرار وادی کوئی طوفانوں کی بستی ہے یہ آفت گاہِ وحشتِ خیر سہجائوں کی بستی ہے
 یہ سیلابِ فنا کا ارتعاشِ سیکراںِ توبہ یہ افلاسِ محبت کا تلاطم، الاماں، توبہ!

معاذ اللہ! خدا بھی آدمی بن کر اگر آئے

فنا ہو جائے افلاسِ محبت کے تھپیڑوں سے

راوی کے کناے

سطحِ راوی چکراں ہو سکوت ساتھ امواج کے روانِ سکوت
 پُرکوں ہیں فلک کے نظائے آسماں پر خموش ہیں تارے
 چاندنی کی بہارِ ساکت ہے جلوۂ زنگارِ ساکت ہے!
 خوابِ آرزماں ہے پیشِ نظر! حسنِ کاکِ جہاں ہے پیشِ نظر!
 حسنِ ہی حسنِ فضاؤں میں! کیفیت ہی کیفیتِ ہواؤں میں!
 مستِ مہیا ہوں اکِ کناے پر اور نظائے خموش دہائے پر
 ایک حیرت ہی بے چھائی ہے بخودی روح میں سمائی ہے
 فکرِ فردا و رنجِ دوشِ نہیں! کوئی احساسِ کمی ہوشِ نہیں!

حسنِ فطرت میں کھو گیا ہوں میں

ہمہ تنِ جذب ہو گیا ہوں میں

عقل و عشق

سطح میں تجھ کو نہیں معلوم اسرارِ حیات ! و کیتا ہے عقل کی آنکھوں سے لواِ حیات
عقل کیا ہے نہیں انساں کے تدبیرِ جمال ! عقل کیا ہے صنعتِ غور و تفکر کا جمال !
عقل جُزئِ کثیرِ آفریں کچھ بھی نہیں ! عقل کا سحرِ دل آویز و حسیں کچھ بھی نہیں !
زندگی اعمال کے آشکدے کا نام ہے زندگی جوشِ جنوں کے ولعے کا نام ہے

ہلک پروانے سے فوقِ احترامِ زندگی ! سیکھ اہلِ عشق سے رازِ دوامِ زندگی !!
عشق کیا ہے ! عقل کی گمراہیوں پر تبصرہ ! خوشنمائی کا جواں اور غیبرِ فنا فی فلسفہ !
عشق کیا ہے ! ریت کی قوتِ کاسِ کمال ! دل کی بہت ریح کی غلٹ کا احساسِ کمال !
عشق کی دیوانگی، فرزانگی کی جان ہے عشق کی وحشت، جلالِ زندگی کی شان ہے
توڑ دیتا ہے جنونِ عشق، قانونِ فنا ! سرد ہو جاتا ہے عجبِ عشق سے خونِ فنا !

گو تذبذب بھی ہے قوموں کی ترقی کا کفیل !! گو خرو کی رٹنی بھی ہے ہدایت کی دلیل !

لیکن اے ہدم! گداؤں کا قلبِ ہستی کی قسم مجھے کونسا غمِ ملت کی سستی کی قسم !

عشق میں مضمر ہیں سارے دوامِ زندگی !

عشق سے ہوتی ہیں قومیں شاد کامِ زندگی !

موسیقی

کتنا عجیب ساز ہے کتنا لطیف راگ

ساتی ! شنیدنی ہے ترے جام کی کھنک

دعوتِ رنگیں

چلئے پھر آج خود کو نمایاں کئے ہوئے اہل نظر کی عید کا سماں کئے ہوئے
 بریط کی روح نطق کے سانچے میں ڈال کر گفتارِ جانفزا کو گل افشاں کئے ہوئے
 مخمور آنکھریوں میں بہاریں سمیٹ کر! مخمور آنکھریوں کو گلستاں کئے ہوئے
 پلکوں کی جنبشوں سے لبوں کو ٹٹول کر! رحوں میں شمعِ عشق فیراں کئے ہوئے
 سبیلوں میں بچھ چکے ہیں محبت کے جو کنول! ان کی حیاتِ تازہ کا سماں کئے ہوئے
 المختصر تصرفِ حسن و شباب سے!! تخلیقِ عشق و کامریاں کئے ہوئے

بُت بن کے دکھتا رہے پھر آپ کو عدم!

ہر اک نظر میں روح کو عریاں کئے ہوئے

سیرا ہے

اک نازیں، نگاہ میں جا دو لئے مجھے ہر اک نفس میں بکھرت و خوشبو لئے ہوئے
 ممتی محو سیر باغ میں اور جوار ہاتھ میں ! دل میں کسی خیال کو سلجھا رہا تھا میں !!
 گوزور ڈالتا تھا طبیعت پہ بار بار ! ہوتے نہ تھے معافی جاں بخش آشکار !
 گذری جو کھیتی ہوئی مجھ کو وہ پاس سے ! موسیقیاں سی ہوئے لگیں مسح اس سے !
 بے اختیار زمین میں کلیاں چمک اٹھیں ! دل باغ باغ ہو گیا آنکھیں چمک اٹھیں !
 اور اک کے نقوش ابھرنے لگے تمام ! فکرِ رسا کے رنگ بھرنے لگے تمام !
 ادب و دل سے شعر کا طوفان کیا کہوں ! اس نو بہارِ ناز کا احسان کیا کہوں !

میری ہر اک نگاہ میں موتی پرو گئی !
 اس کے طفیل ایک حسین نظم ہو گئی !

خالد!

آہ! اے اک غمزہ شاعر کی تسکینِ حیات زندگی کی ایک چھوٹی سی منور کائنات !
 اس کی اک پرسکون دنیا ہے گہوارا ترا شورِ شول کی دسترس سے دور، جھولا تیرا
 تیری مچھٹی نیند کے دامن میں کوئی حور ہے تیرا اپنا خالد کے انوار سے معمور ہے !
 جھول لے جی بھر کے جھوم میں اٹھالے لطفِ خوا اے سرےِ نختِ جگر انیکو ہے اک انقلاب
 تلخیاں ہی تلخیاں ہیں گردشِ ایام میں ! جھولنا ہے کل تجھے گہوارہِ آلام میں !

عہدِ طفلی کا رو پہلا خواب ہے ناپائدار دیکھنی پڑتی ہے اِنساں کو جفاے روزگار
 پیارے خالد! تجھ کو لے آئی دنیا ہوش میں ! کھولنا ہے اُنکھ تجھ کو شکے آغوش میں !
 امتحانِ بغرم و استقلال کرنے کے لئے ناتواں انسان کو پامال کرنے کے لئے
 گرم ہے آفات کا بازارِ ازل سے دہریں ! سرخرو مٹتے ہیں فی بہتِ عمل سودہریں !

اک مجاہد بن کے میدان میں اترنا ہے تجھے
زندگی کے حادثوں سے جنگ کرنا ہے تجھے

رات

جاگ اٹھی آنجن بستاروں کی سچ گئی بزم ماہ پاروں کی !
ٹھنڈی ٹھنڈی ضیائیں پھیل گئیں ! چاندنی کی قبائیں پھیل گئیں !
سو گئی کائنات کی نورش عالم بے ثبات کی نورش
نیند کی سحر کار خاموشی ! رات کی شاندار خاموشی !
چھا گئی شش جہاتِ عالم پر وار و گیرِ حیاتِ عالم پر
جذب ہیں ستیا نوحِ اول میں کیف مستور ہے فضاؤں میں !
خاموشی میں سرود کی لہ ہے زخمہ پیرِ سکوت کی لہ ہے

چاند سیل نور جاری ہے راحتوں کا سرور طاری ہے
 جنگلوں کی فضا میں سُئی ہیں! طاؤروں کی نوا میں سُئی ہیں!
 کشتیاں چپ میں بان چپ ہیں اور پُر نور آسماں چپ ہیں!

غم کی جانسوز آگ سُئی ہے! رشک سویا ہے لاگ سُئی ہے!
 ہوش بہ نگام نہ خوشی چپ ہے! شور پیکار زندگی چپ ہے!

الغرض سب جہان سویا ہے

نیند کی مستیوں میں کھویا ہے

رعنائی خیال

کیا آبِ قنابِ فکر ہے کیا طلعتِ خیال ! پھیلا ہوا ہے فہن میں ادراک کا جمال !

کیا لحنِ دلنواز سماعتِ فروز ہے ! اک حسنِ سحر کا ہے صوتِ گز خیال !

ستمعین سے جل رہی نِ ہند لکوں میں حِطرح یوں عالمِ خیال میں ہے بارشِ جمال !

راتوں کی کائنات بھی کیا کائنات ہے ! نیندوں کا اک غبارِ ستاروں کا ایک جال !

بربطِ نواز کون ہے تاروں کے حسن میں ! جذبات کر رہے ہیں ادراک کے سوال !

کتنی لطیف ہے مہ و پروں کی راگنی ! لہر رہے ہیں دل کے افقِ چسپ خیال !

لہر رہے ہیں دل کے افقِ چسپ خیال ! لکھ رہے ہیں حسنِ تصوّر کے خد خیال !

کتنی کہانیاں ہیں ادھوری پڑی ہوئی ! کتنی حکایتیں ہیں ابھی تشنہٴ مال !

رعنائی خیال کی تفسیر کیا لکھوں !

رعنائی خیال کی تفسیر ہے محال !

جنونی گیت

ربابِ دل کے تاروں کو بچھو امیرِ جشت نے کیا احساس کو زیرِ سیلابِ وحشت نے
رگِ ویشہ میں دوڑیں مضطربِ سیلاب کی لہریں لہو کی گرم موجیں بن گئیں ہرب کی لہریں!

ستاروں کی عظیم الشان آدی جگمگاتی ہے کہ ہو کر زیرِ ریزہ ریزہ برقی مضطر تلملاتی ہے
تارے ناچتے ہیں اور سازِ ماہِ بختا ہے وہ ہستی ہے جہیں موت کا بادل گر جتا ہے
مرے اللہ! شعے کیوں نکلتے ہیں نو اؤں سے جنوں کی بچلیاں گتی ہیں یوانی صداؤں سے
یزخِ سانپ کے مانند بل کھاتے ہوئے نغمے یہ لہراتے ہوئے نغمے یہ پھرتے ہوئے نغمے
یہ نغمے آگ بن کر کیوں مری گئی ہیں! یہ نغمے میرے احساس کی روح کو ڈستے ہیں!

ہوا جانا ہوں کیسے شعلِ سوزِ فرداں سے!

ابھی نکلے گا نغمہ موت کا تارِ رگ جاں سے!

جلوہ مائے زرگارنگ

ازل سے یہ جلوہ گاہ آفاق راہِ حیاتِ سرخساز رہی ہے!

عقول و اذہان کے تجسّس پر بے بسی سکرار رہی ہے!

فلک کی تاروں بھری فضاؤں میں حسنِ تحلیل ہو رہا ہے

زمین کو نیندوں کی بنسری بے خودی کے نعشہ نما رہی ہے

ہزاروں حیرت انگیز جھلکتے ہیں دہر کی ایک اکِوش میں!

بہارِ کل جلوہ گر تھی جس جا خزاں ہاں خاک اڑا رہی ہے!

کہیں مُسترت کے تہمتوں میں حیات کا دل ٹھک رہا ہے

کہیں نقال کے حجاب میں مست اپنا بریل بجا رہی ہے

سکوت کے دل میں شورِ شوں کے لہر کا چشمہ ابل رہا ہے

خوشیوں کے فسوںِ نعروں کی مست آواز آ رہی ہے

چھپی ہیں مینابِ طلعتیں، شے کے درِ ظلمتِ آفریں میں !
 سیاہیوں کی زباں ضیائے سحر کا قصہ سنارہی ہے
 بصارتِ سطح میں پختی ہے وسعتِ جلوہ ہائے عالم !
 ہر ایک جلوے میں حسنِ صدنگ کی جھلک تھڑا رہی ہے
 مشاہدہ اجتماعِ اضدادِ تجرّب میں کھو گیا ہے ! !
 کہ دہو کے ساتھ ساتھ برساتِ ننگ لیاں منارہی ہے !
 ہزاروں نظروں کی روشنی غرق ہے تجرّگہ جہاں میں !
 نوائے احساسِ عہدِ ماضی کے سب فسائے زنا رہی ہے
 نگاہ کو کامگارِ نطفہ بارہائے آفاق کر رہا ہوں !
 کہ میں بھی کچھ دیر کے لئے واوئی جاں سے گزر رہا ہوں

صحرائے عرب

فسونِ شبنمِ باطل، سحر کی روشنی بھیلی! ہو جہنم میں آئی اور فضا میں زندگی بھیلی!

فلک پر مہرِ عالمِ تاب کا سانچہ چمک اٹھا شرابِ نور سے پیمانہ عالمِ چمک اٹھا

عرب کے خشک صحراؤں کا دہشت خیز منظر ہے بیابانوں کی خاموشی کا وحشت خیز منظر ہے!

یہاں کے فِرّے فِرّے سے جہنم تھر تھرتھا ہے وہ گرمی ہے وہ سوزش ہے کہ سو بج گناپ جاتا ہے

بگولے جوش کھا کر آسمان سر پٹھاتے ہیں! منظم ہیرے کے فِرّے خاک کے ٹپوں کا چلتے ہیں

ذرا ان پر سکوں فتنوں کو آتش جذب کرنے دو ذرا خورشید کو ذروں کے سینے میں اترنے دو

بسا طِغناک سے شکلوں کے چشمے پھوٹ نکلیں گے نہیں آتشِ موجوں کے چشمے پھوٹ نکلیں گے

یہ وہ آتشکدہ ہے جس سے دوزخ لاگ لکھتا ہے یہ وہ صحرا ہے جو بود و زوئوں کی آگ لکھتا ہے

غضب ہے کارواں پھر بھی یہاں آتے جاتے ہیں مسافر ہیں کہ اپنی ہمتوں کو آزماتے ہیں!

یہ انسان کون میں آگ میں خوف کو دڑتے ہیں! یہ نادان کون میں آگ کے شور سے اڑتے ہیں!

مجھے بھی لے چلو الفت کے متوالو اسی بن میں! مجھے بھی لے چلو اے قافلے والو اسی بن میں!

مجھے بھی آتشیں دریا کی موجوں میں نہانا ہے

مرے غصہ کو بھی بھٹی میں جل کر رنگ لانا ہے

محل شب

رات! تنہا کے چشمے میں جکی گود میں! خواب نگارنگ کے جلوے میں جکی گود میں!

اپنی مستانہ داؤں سے ہوئی ہے جلوہ گر! لگ گئی ہے ہنرِ خوشی لبِ افکار پر

رات کی پُر نور محفل کے نظارے جاگ اٹھے! حسن کے جلووں کے مالا مال تارے جاگ اٹھے!

آسمان کی گود روشن موتیوں سے بھر گئی! یا کوئی مالنِ خلک پر پھول چُن کر دھڑ گئی!

شورشیں خاموشیوں کے جام پی کر گئیں رات کی کیفیتیں بہرمت زندہ ہو گئیں

باغ سے خوشبو اڑا کر لائی ہے ٹھنڈی ہوا صحن گلشن سے گزر کر آئی ہے ٹھنڈی ہوا
کیا حسیں تیں ہیں اور پردیں نہیں ہیں بے رفیق و انیس بے بس تنہا ہوں میں
کون آئے گا رخِ روشن دکھانے کے لئے کون آئے گا غمِ فرقت مٹانے کے لئے
دل سے باتیں کرتے کہتے یہ نہی چپٹ جاؤں گا
نیند آنکھوں میں سما جائے گی اور سو جاؤں گا

لغزشِ گناہ

اٹھایا ہاتھ میں چاکِ مہابت کے فرشتے نے نکالیں طیش میں آنکھیں ہلاکت کے فرشتے نے
جگایا خوف نے پُر شروطِ فنانوں کی روجوں کو قیامت خیز و شہناک بھیانوں کی روجوں کو

افق سے ایک بل بکیراں اٹھا سیاہی کا! یکایک آسمان پر گھنچ گیا نقشِ تباہی کا!
 چمکتی اور کوکبی بجلیوں کے ہیچ و خم کھائے گر جتنے اور بستے بادلوں کے قافلے آئے
 ٹہمے ہر تے طوفانِ لہرِ سہیت فشاں ہو کر دل اٹھی فضا اک حشر زارِ الاماں ہو کر
 کہا ہاتھ نئے اب دنیا کی شامت آنی والی ہے قیامت آنے والی ہے قیامت آنی والی ہے

یہ تینا ک منظر دیکھ کر دریا کے ساحل پر! یکایک بھاگتی ہر شہت کی انسان کے دل پر!
 وہ سمجھا سب نتیجہ ہے یہ اس کی دسیاہی کا تہتہ ہوئے غیب میں اس کی تباہی کا
 نہیں منظور طولِ شیطنت ہر گز خداؤں کو بہت طیش آ گیا ہے سرکشوں پر دیوتاؤں کو
 ہر اس موت بن کر چھا گئی دیوانگی اس پر مسلط ہو گئی اک روحِ فرسا کی لپی اس پر

اتر آئے ل میں عکسِ یونہی غمضِ فطرت کا
 جہنم کیا ہے اک احساںِ جانسوز اپنی دولت کا

تڑکا

ہوا کا ایک جھونکا تڑکے تڑکے کینڈے سے چونکا
 کنارا آسے آنکھوں کو جب ملتے ہوئے گزرا
 تو بولا کہر سے بہا جا رہے رستے کو خالی کر
 سمٹ جا، دُور ہو چھٹ جا، مر رہے رستے کو خالی کر
 لما جب راستے میں کشتیوں کے بادبانوں سے
 جو باتیں کر رہے تھے بخودی میں آسمانوں سے
 تو ملا حوس بولا، اے جو انہر دو! اٹھو، جاگوا
 یہ خاموش کو موج آفریں کر دو، اٹھو، جاگوا!
 مخاطب ہوئے جنگل کے پرندوں سے لگا کہنے
 مٹھلے سحرز انغمے میں صحنِ دشت کے گھنے
 اٹھو! اے ننھے ننھے مطرب! اب ہوش میں آؤ
 ترنم رنیکور سارے بن کو جب میں لاؤ
 جو پہنچا اہلہاتے سبززاروں کی ہول میں
 دختوں کی زمرہ پوش، نازک شلزاروں میں!
 تو بولا، اے حسینو! اپنے طُروں کو ذرا خم دو
 ہری رونا، نازنیو! اپنے طُروں کو ذرا خم دو!
 کہ مشرق سے ابھی جھانگی شہزادی سویر کی!
 زید صبح دیتی ہے پریشانی اندھیرے کی!
 وہی جھونکا گر جب شہر خاموشاں میں جا پہنچا
 تو ٹھنڈی سانس لیکر اور جب کہ کو ختام کر بولا!

نہیں، ماتم سو رہو، تم کو ابھی آرام کرنا ہے
نہیں محوِ سکول رہ کر سحر کو شام کرنا ہے

(ماخوذ از لاگ فیلو)

عیشِ شبانہ

رات آگئی ہے عیشِ شبانہ لئے ہوئے سازِ طرب کا مست ترانہ لئے ہوئے!
ٹھنڈی ہوا کی نرم و سبک سیرِ رو کے ساتھ جنت کا بھولا بابِ افسانہ لئے ہوئے!
تاروں کے جائے فروز جیسے جلوہ زار میں! چھوٹا سا خوش خرام زمانہ لئے ہوئے!
نیندوں کے کیفیتِ بخشِ طربناک دُور میں! موسیقیوں کا ایک خزانہ لئے ہوئے!
آنکھوں میں پھر رہیں گشتِ نزلوں کے خوابِ رنگیں فراغتوں کا زمانہ لئے ہوئے!

کیا جلد، زود باز جوانی، گزر گئی!!

میری سرتوں کا خزانہ لئے ہوئے!

مشاہدات

برف باری ہو اگر افروزوں تو کچھ پروا نہیں ! اور جم جائے رگوں میں خوں تو کچھ پروا نہیں !

سخت جاڑے کے مہالک کا نہیں کوئی خیال ! جو مصیبت آئے آنے دو نہیں اصلاً ملال ! !

موسم سرما کی جان نہ سراہو ! تم چلو ! رحم سے لبریز ہو کر ختم نہ جاؤ ! تم چلو !

کیوں کہ تم ہی باعثِ دردِ زمیں انسان نہیں کیوں کہ تم جو کچھ بھی ہوتی ضررِ سماں نہیں !

آہ جتنا دوستوں کی سرد مہری کا اثر !

آسمان کی گردِ شو ! جاری رہو، جاری رہو ! دہر کی نیز لگیو ! جاری رہو، جاری رہو !

منتشر ہو جائے گو شیرازہِ نیرِ حیات ! شاکِ بُجورِ حوادث ہی ہے سب کائنات

روشناسِ کیفیتِ راحت ہو نہ کوئی لشکر ! تم مگر قائم رہو اپنے طریقِ کار پر ! !

کیونکہ تم ہی موجبِ رنج و پریشانی نہیں کیونکہ تم ہی ایک سرگرمِ سم افشانی نہیں !

اہلِ دنیا کی ریاکاری ہے تم سے تلخ تر (ماخوذ از شکسپیر)

انجام

روح کی بے چینوں میں ایک دن کھو جاؤں گا !
 ارتقائے فکر کی وسعت میں گم ہو جاؤں گا !
 دردِ دل کی ابتدا سے ہی مجھے معلوم ہے !
 اک نہ لک دن میں سراپا دردِ دل ہو جاؤں گا
 پڑ گیا ہے دل کو لپکا غیر فانی سوز کا ! !!
 ہلکی ہلکی آنچ میں جل کر فنا ہو جاؤں گا ! !!
 جاگ لینے دے مجھے راتوں کو فکیرِ شعر میں
 نیند جب آنی ہمیشہ کے لئے سو جاؤں گا !
 نغمے درد کا سازِ شکست انجام ہوں
 اتفاقاً ٹوٹ کر اک روز چُپ ہو جاؤں گا !

آتشکدہ

غزل عشق و محبت کی زباں کا نام ہے، یعنی !
 برا و راست میرے دل نے آنکلی گفتگو کی ہے

غزلیات

آگہی کے فیض سے سادہ دلی جاتی رہی ہر فریبِ آرزو کی دیکشی جاتی رہی !
 دل کو تیری ذات سے جو ریل پٹ نہاں تھا کبھی وہ تو اب بھی ہے مگر اس کی خوشی جاتی رہی !
 چھوٹی چھوٹی رنجشیں اک عادیہ سا بن گئیں چھوٹی چھوٹی رنجشوں کے دوستی جاتی رہی !
 انقطاعِ رسم و راہِ دوستی سے اے عدم ! شکر ہے اک بے وفا کی بطنی جاتی رہی !

دیکھنا کیا داؤ کا فرما جس رانی دے گئے دے کے ان چھوٹی تسلی سب انی دے گئے
 اک نظر پھر غوغاِ روانی کا سُرخ پر انعکاس حالِ دل کہ کر وہ داؤ پار سائی دے گئے
 کیسے کیسے دوست تھے جو یادِ دل ناخاستہ دوستوں کو ایک لافانی میدانی دے گئے
 مسکرا کر منجھ کو دیکھا اور نگاہیں پھیر لیں ! جاتے جاتے خوب داؤ آشنائی دے گئے
 کیا کہوں اُنکو عدمِ جو یونہی اذرا و مذاق میرے دل کو لذتِ غم آشنائی دے گئے

ہائے کیا بیدار پر بیدار کر لیتا ہوں میں شامِ غربت میں وطن کو یاد کر لیتا ہوں میں
 حوصلہ سہمیا حوادث اور تہیہِ دعا!! گاہے گاہے کیا ستم ایجاد کر لیتا ہوں میں
 ضبطِ مشکل ہے خلافِ ضبطِ ننگِ عشق ہے دل ہی دل میں بیٹھ کر فریاد کر لیتا ہوں میں!
 چاندنی راتیں 'محبت اور جوانی' لئے ہائے! تمام کر دل اُن دنوں کو یاد کر لیتا ہوں میں
 اب کہاں پینے کا پہلا سادہ لطف! ہمنشیں اب ذرا تعظیمِ ابرو یاد کر لیتا ہوں میں!
 یہ نہیں مجھ کو خبر کیا ہے حقیقت کیا مجاز! دیکھ کر ان کو خدا کو یاد کر لیتا ہوں میں!

اک نہایت خوشنما ہو کا مجھے دے دیجئے پھر فریپ دھوہ فردا مجھے دے دیجئے
 اور کیا شہینئے اک تقدیر کے مارے کو آپ عشق اور رسوائی دنیا مجھے دے دیجئے
 شیخ صاحب آپ کو تکلیف تو ہوگی ضرور اک ذرا وہ ساغرِ صہبائی مجھے دے دیجئے

زندگی میں کوئی دھپسی تو ہونی چاہئے
 ہو سکے تو پھر کوئی دھوکا مجھے دے دیجئے

بیدلی تمہیدِ مرگِ ناگہاں ہو جائے گی !! لا محالہ ختمِ غم کی داستاں ہو جائے گی

ہے یقین بے سرو پا پر مدار آگئی عقل ہر تحقیق سے خود بدگماں ہو جائیگی !

آہ ! نادانوں کی بے تابی کا عالم دیکھنا ! جیسے ہر تدبیر عیشِ جاوداں ہو جائے گی

ہر گماں ہو جائیگا خلاقِ عرفان و یقین ہر یقین کی انتہا و ہم و گماں ہو جائیگی !

یہی سود و زیاں تو میری افسردہ دلی بے نیازِ معنی سود و زیاں ہو جائیگی !

اشعار

گردشِ ایام سے فرصت ملے تو ایک دن کھول کر دل گردشِ ایام کی باتیں کریں !

شام ہے آؤ لبِ جو بیٹھ کر اک دو گھڑی کچھ سنیں کچھ گردشِ ایام کی باتیں کریں !

او زمانے ! انقلابِ بے محل پیدا نہ کر دردمندوں کے مشاغل میں خلل پیدا نہ کر

موت کی خواہش تو ہے لیکن غم بھی ساتھ ہے دوستوں کے درد کی بنیاد ہو جاؤ نگاہیں !

مجھ کو جاؤ گے بس آغازِ محبت کر کے تم اور تمہارے عشق میں برباد ہو جاؤ نگاہیں !
 ساقیا کیفِ مسرت میں ہوں میں عیشِ کف یا تیرے ساغر کو شوقِ لغزشِ مستانہ ہے
 بہ قدم پر اک نئی امید رہبر بن گئی ! کس قدر آسائیاں نکلیں مٹی شکل کے پاس !
 جستجوؤں پر ثباتِ زیست کا ہے انحصار !! جستجوئیں ختم ہوتی ہیں تو مرجاتا ہوں میں !
 یونہی کچھ بے ساختہ اُن پر مجھے پیار آگیا ! یونہی کچھ بے ساختہ اُن سے محبت ہو گئی
 کونسی راحت پہ ہو آپ بقا کی آرزو ! موت ہو جائیگی عمرِ جاوداں میرے لئے
 ناخداے دل کو موجوں سے یہ کیسا لبط ہے ماہی بے آب ہو جاتا ہے ساحل دیکھ کر
 عشق ہے فطرت شناس دل اسی سے پوچھئے کس قدر وسعت کا ملک کس قدر گہرا ہے دل
 وارداتِ عشق والہامِ محبت کی قسم حاصلِ دنیا ہے دل سراپہِ عقبت ہے دل

وہ دل جو مسرت کا خوگر تھا پیارے! وہ دل آج غم آشتا ہو گیا!

جوانی کا موسم فنا ہو گیا! عشرتوں کا زمانہ ہوا ہو گیا! !!

نہ جینے میں لذت نہ مرنے میں کچھ لطافت! یہ زندگی بھی ہے کیا زندگی!

مری روح پر پڑ گئی کہرسی کیوں مرے دل کو اٹھ! کیا ہو گیا!

تمہارے تہسم میں پنہاں ہے جو بات، مفہوم اسکا سمجھتے ہیں ہم!

محبت کی تشریح بے شک یہی ہے، یونہی ہم کو ضبط و وفا ہو گیا!

محبت کی قسمت میں سوائیاں جو لکھی ہیں، مفراں سے ممکن نہیں!

کہ جو نقطہ نکلا ہماری زباں سے وہ اک بے تکلف گلا ہو گیا!

یونہی ان کو میں دیکھا کرتا تھا، میری نگاہوں کا مفہوم کچھ بھی نہ تھا!

مگر دیکھتے دیکھتے ہی عدم انکی الفت میں دل مُبتلا ہو گیا

طوفانِ حوادث میں ساتی! کچھ لمحے شان سے جی جاؤں !!

ہاں! عشق کی تلخی سہہ جاؤں! ماں موت کا سا غری جاؤں

اک روز تو رازِ عشق مرا سہو جائے گا رسوا سے ہم دم !

ناچند میں آہیں ضبط کروں! ناچند میں آنسو پی جاؤں !!

بایوس تو ہوں میں جینے سے لیکن یہ خیال ہے لوگوں کا!

تم آؤ تو شاید جی اٹھوں! تم آؤ تو شاید جی جاؤں!

اے کاش میں اُس شب مرجاتا، جب اس نے کہا تھا رو کر

یہ زہر کا سا غم دپیو! لاؤں میں اسے خود پی جاؤں!

اس جو روحِ جفا کی بستی میں آیا تھا میں اس مقصد کے لئے

کچھ غم کے تھپیڑے کھا جاؤں! کچھ زہر کے سا غری پی جاؤں!



ہوش کھودیتا ہوں اور وجد میں آجاتا ہوں ! وسعتِ حسنِ تصویر میں سما جاتا ہوں !
 ڈوب جاتا ہوں خیالات کی گہری رُو میں اور کسی دوسرے عالم میں چلا جاتا ہوں !
 چاندنی راتوں میں ان کی ملاقات کا کبیت رخصتِ اکہوش کہ بے ہوش ہوا جاتا ہوں
 بے حقیقت نظر آنے لگے شکوے اپنے تیری گفتار کے دھارے پہ بہا جاتا ہوں !
 آہ! انسان ہوں بھنس جاتا ہوں باتوں میں مگر چوٹ لگتی ہے تو پھر ہوش میں آ جاتا ہوں !
 نبض کو نہیں پرانگی تو ذرا کھنا عدم ! دنیا بھجتی ہے کہ میں آپ بھلا جاتا ہوں

ہوشِ شیمان پر اتنا بھی شیمان نہیں ٹوٹنا سحرِ تمنا کا کچھ آسان نہیں !
 میری مغموم خموشی پہ ہے یوں قہقہہ ناز جیسے اُسکے لئے غم کا کوئی امکان نہیں
 یونہی مل جاتا ہے اکثر سرِ راہ ہے ایدوستان درو وہ درد کہ جس کا کوئی درمان نہیں !
 کس کو سمجھانے لگے آپ جنابِ تاصح میں تو ناداں ہوں مگر آپ تو ناداں نہیں
 مدعی معرفتِ حق کے وہ بنتے ہیں عدم ! جن کو سچ پوچھو تو خود اپنی بھی بیجا نہیں

غرقِ حسرت ہوں کبھی غرقِ تمنا ہوں میں اپنے اودام و خیالات کی دُنیا ہوں میں !
 چند سانسوں کے تسلسل سے ہے رونقِ تباری چند لمحوں کا دل آویز تمنا ہوں میں
 میری حیرت کے تماشا ئی ! ذرا ہوش میں آ ! اپنے پندار کا بگڑا ہوا نقش ہوں میں !
 یوں بھی ہوتا ہے کبھی ذوقِ تجسس کا نال خود کو کھو بیٹھا ہوں اور ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں !
 تم روایاتِ محبت کے پجاری ہو فقط ! دل کوخوں کر کے بس اک تباہ سمجھا ہوں میں !

ہے یہ اندازِ تغافل تو قیامت ہوگی ! کیا کرے گا وہ جسے تم سے محبت ہوگی ! !
 اس سے پہلے کہ کہوں کچھ میں وہ بول اٹھتے ہیں آپ کو مجھ سے پھر اب کوئی شکایت ہوگی !
 جینا مشکل ہو تو ہو جاتا ہے مرنا آساں ! سخت جانی مری اک نہ سلامت ہوگی !
 لوگ کہتے ہیں مجھے تم سے محبت ہے مگر تم جو کہتے ہو کہ وحشت ہے تو وحشت ہوگی !
 موت آئیگی اُسی وقت ہمیشہ کمبخت مجھ کو جس وقت کہ مرنے کی نافرست ہوگی
 ایک اُمید جو لے دیکے تھی سراپاِ زیست ! مائے اب وہ بھی تو ہم سے عبارت ہوگی ! !

اُندا دلی آویزش، یہ فطرتِ دنیا ہے!
 ساحل سے ہر اک طوفان، لٹکے گزرتا ہے
 جلوے کی حقیقت ہم، معلوم کریں کس سے
 جو اہل نظر ہے وہ، حیرانِ متاثر ہے!!
 دیوانے لگدشتہ اور آئندہ کو کیا جانیں!
 اس حال سے وابستہ دیروز مفرور ہے
 قانونِ ستم بھی گرجاتے ہیں نظروں سے!
 معیارِ خفائق اک سلجھا ہوا دھوکا ہے!
 محویت و سرشاری، مدہوشی و بے خبری
 نادانِ تماشاہی! تو آپ تماشا ہے!
 طغیانیِ غمِ دل میں اور ضبطِ فغان، تو یہ!
 نادانِ عدم! شاید جیل بچھنے کا سودا ہے

محسوس ہو رہا ہے دل میں کوئی حسلا ہے!

کس حادثے کی میرے اللہ! ابتداء ہے!

کہتے ہیں لوگ، میں کچھ دیوانہ ہو گیا ہوں!

کچھ تم کو بھی خبر ہے، یہ کیا معاملہ ہے!

جیسی گذر رہی ہے، اچھی گذر رہی ہے!

بس آپ کا کرم ہے، بس آپ کی دعا ہے!

کتنا حسیں ہے ناصح! وہ کافر خود آرا!

ہے بے وفا تو پھر کیا، دنیا ہی بے وفا ہے

شکوہ ہے اک جہاں سے، آنکھوں سے جنوں کا

دیوانگی بھی جیسے، کوئی مری خطا ہے!

کہتے ہیں وہ عدم کو کیوں ہم سے ہے محبت

کتنی حسیں شکایت، کتنا حسیں بکلا ہے

کل جو غم آشنا تھا دل آج بھی وہ نگار ہے؛

گردش روزگار تھی؛ گردش روزگار ہے؛

غرق ہو کس خیال میں، گم ہو کس احتمال میں

لذت اعتبار ہی حاصل اختیار ہے؛

ہمت عشق دیکھ کر حیرات عشق دیکھ کر

عقل بھی شرمسار ہے، موت بھی شرمسار

عقل ہے اور حکمتیں عشق ہے اور جراتیں

عقل ہے اور فلسفہ عشق ہے اور دار ہے

یونہی نہیں یہ بے رنجی، یونہی نہیں یہ کجری

جانتا ہوں تمہیں مرے عشق کا اعتبار ہے

جب کے جاؤ گے ہیں ہم، ناظرِ حیاں نواز سے

دل بھی اداس ہے، عدم روح بھی بقیہ ہے

تو مجھ کو دیکھتا ہے! خلق کو سودا نہ ہو جائے مری تو خیر ہے! تو آپ بھی روانہ ہو جائے
 کہوں کیا! میں تمہاری بگمائی فطرت سے ڈرتا ہوں کہ لب کھلتے ہی کوئی بدظنی پیدا نہ ہو جائے
 خریدیں اور وحشت میں! خدا سا فرق ہے ورنہ ذرا سی دیر میں انسان یوں دیوانہ ہو جائے
 بہانہ چاہئے کچھ عشق کو بندہ نوازی کا! میں ڈرتا ہوں کہ مجھ پر ہی اگر مفرانہ ہو جائے
 مری دیوانگی پر سنسنے والے پوچھتا ہوں میں اگر ہوا اتفاق ایسا کہ تو دیوانہ ہو جائے؛
 محبت! آہ! بہتر تو یہی تھا! مانہ ہی رہتی مگر افسانہ بنتی ہے تو پھر افسانہ ہو جائے
 مجھے دیکھو! مگر اتنا نہ دیکھو مدعا یہ ہے کہ ناحق یونہی امکان جنوں پیدا نہ ہو جائے
 مرتب کیجئے کوئی فریب کا میاب ایسا! عدم جس کی دل آویزی سے پھر دیوانہ ہو جائے

وہ آتے ہیں تو دل میں کچھ خلش معلوم ہوتی ہے میں ڈرتا ہوں کہیں اسکو محبت تو نہیں کہتے
 وقارِ عشق پر دانوں کی جان بازی سے قائم ہے جو غمزدی کو ابل ہو ش وحشت تو نہیں کہتے
 سفینہ غرق ہے! ملاح نذر موج مریا ہے! مرے مولا! اسے طوفانِ رحمت تو نہیں کہتے

دگرگوں اس قدر ابل کی حالت ہوتی جاتی ہے مری ہر انس ر وادِ محبت ہوتی جاتی ہے
 اب اس کو عشق کی تہیہ سمجھو! یا جنوں سمجھو! مجھے کچھ غور فراموشی کی عادت ہوتی جاتی ہے!
 محبت کی کوئی حد ہے وفا کا کچھ ٹھکانہ ہے کہ انکی جو فضا ہے میری قسمت ہوتی جاتی ہے
 فریڈے سنی بھی آپ قائم رکھ نہیں سکتے! یہاں تک اساروں سے عداوت ہوتی جاتی ہے

گہر کی جستجو میں غوطہ زن ہو گہرے پانی میں نئے روح شاعر جذب ہوتی ہے معانی میں!
 ریاضتِ جہیز تو اچھی ہے لیکن حضرت زاہد یہ بے موسم سی شے معلوم ہوتی ہے جوانی میں!
 غلط اندازِ نظروں سے نہ دیکھو درد مندوں کو! خلل آجائے گا ان بکیسوں کی زندگانی میں
 جا رشتہ دل شکستہ چشم تر چہرہ غم آلودہ!! یونہی ہوتا ہے اکثر حادثاتِ ناگہانی میں!

ہماری ذات کے بیزار ہو تم خیر بہتر ہے ہمارے درپے آزار ہو تم خیر بہتر ہے
 محبت کسی آشفتمند دل کو آشنا کر کے محبت بہت بیزار ہو تم خیر بہتر ہے

غمِ الفت کو مستحکم بنا دے مہرباں ہو کر ! : بڑا سرور ہے دل بے نیازِ دو جہاں ہو کر
 کمالِ ضبط پر بھی ضبط کا انجام یہ نکلا : کہ صورت رہ گئی جذباتِ دل کی حرجاں ہو کر
 نظامِ عقل شاید فطرتِ دل کے منافی تھا : کہ دل میں بس گیا ہے عشقِ دلاکِ پاسبان ہو کر
 خرد کے روز افزوں وسوسوں کی مہربانی سے : مر ہی مستی نہ رہ جائے کہیں وہم و گماں ہو کر !

اشعار

کسی کے سامنے جب عشق کی تفسیر کرتا ہوں : بہت پہلی ہوئی بے ربط سی تقریر کرتا ہوں
 خاصِ ظاہری بھی اہلِ دنیا سے غیبت ہے : فریبِ دوستی کی بھی بہت تو قہر کرتا ہوں !
 حواہیِ خدا بھی ڈبویا یا اس نے بیڑا : سیغنے کو تو کرتا ہی فضا طوفانِ دریا کا
 جو ڈوبے ڈوب کر اک بار پھر زندہ نہیں ابھرے : کسی سے پوچھتے کچھ حالِ ورنہ عسیرِ بیا کا
 بڑا افسوس ہے حائلِ ریسِ گرفتارِ ایسے : بڑی مشکل ہے ہر تدبیرِ تقدیر ہو جائے !
 خدا کا نام لے کر اے عدمِ راہِ جاوہرِ قسمت سے : کہ شاید کامیابی کی کوئی تدبیر ہو جائے

سادہ سستوں کا دمانہ لذر گیا !! دل پر کھلا جو حال زمانے کا مر گیا
 دلچسپ تو بہت تھا امیدوں کا ہر دم لیکن ہر اک فریب سے جی اپنا بھر گیا
 کیا حادثہ ہے شہسہ دل کی شکست بھی میخانہ حیات کا چہرہ اتر گیا!
 کچھ دل کو خوف سا ہے خدا خیر ہی کر وہ نوجوان جو رہتا تھا چپ کدھر گیا
 ٹوٹا طلسم شوق اس انداز سے عدم شیرازہ جہانِ تمت بکھر گیا

بیٹھا ہوں دل میں غمِ سہیاں لئے ہوئے آتش مزاجِ عشق کا طوق لئے ہوئے!
 تھیل ہو گیا ہے محبت کی آنچ میں کوئی غریب دل و جاں لئے ہوئے!
 پہنچ گیا عشق آپ کی خدمت میں اکدن احوالِ دلگدازِ غریباں لئے ہوئے!
 جانناز عشقِ داریہاں کے چٹھ گیا لوٹ آئی عقلِ دیدہ حیراں لئے ہوئے
 حیراں کھڑا ہے کاتبِ اعمالِ حشر میں میرا نگار خانہ عصیاں لئے ہوئے

دل مجھ گیا ہے سوزِ طبیعت کو کیا ہوا جذباتِ استنشیں کی حرارت کو کیا ہوا

سوانِ روح بن گئیں فناِ نشانیوں ! اللہ! سادگیِ طبیعت کو کیا ہوا !

مانگنا و شوق کو دھوکا ہوا ' مگر : کبھتِ دل کی تیرِ بصارت کو کیا ہوا

تقدیرِ منس رہی ہے کسی نامراد پر !

تدبیر کی جسارت و ہمت کو کیا ہوا

بدظن ہوں گو دعا سے یقینِ دعا بھی ہے کہتے سنا ہے لوگوں کو میں نے خدا بھی ہے !

تم نے نگاہ کی تو مجھے عشق ہو گیا میرا قصور ہے تو تمہاری خطا بھی ہے

پوچھا جوان کیوں ہے تمہیں عشق سے گریز کہنے لگے کہ عشق میں شرطِ وفا بھی ہے !

کچھ بد نصیبیوں کے عدم اتفاق ہیں

شامل کچھ اُن میں ایک جوان کی دعا بھی ہے

الفت بھری نگاہ کے اِجا کو کیا کروں ! ڈرتا ہوں اس عنایتِ بجا کو کیا کروں !
 ہر حادثہ شدید ہے ہر اتفاق تلخ !! اے دوست ! اپنی قسمتِ رسوا کو کیا کر لں
 ماں ! بابا رو لکھنے سے ڈرے عشق کا ! لیکن میں اپنے ذوقِ تماشا کو کیا کروں
 طوفاں پسند دل کی طرف ہے نگہنور دریا چڑھاؤ پر ہے تو دریا کو کیا کروں !
 اب ہوں میں اپنے ذوقِ یقیں سے بھی بدگماں اب میں تمہارے وعدہٴ فردا کو کیا کروں
 اُن کی نگاہِ لطف کا رخ بھی ہے کوئی چیز پیساکِ دل کی جرأتِ تنہا کو کیا کروں

کرے نہ بید کی کہیں مرگ آشنا مجھے دینا پھر اک فریبِ حقیقتِ ثا مجھے
 ماں ! جانتا ہوں عشق نہیں ہے یہ موتِ پر کیا کروں کہ مل گیا ذوقِ فنا مجھے
 اک سادہ لوح سے تھا مناسب یہی سلوک اُس حلیہِ برائے ہو بھلا کیا گلا مجھے !
 اللہ ! دل کا بڑھتا ہوا کیفِ بے حسی کرے نہ ایک دن کہیں مرگ آشنا مجھے !
 ترکِ اُمید و ترکِ تمنا کروں عزم ! سوچا تو تھا ہوا نہ مگر حوصلہ مجھے !

لازم ہے دوستی میں خیال احتیاط کا ! بیگانگی مآل نہ ہو ارباب بساط کا !
 ہنستے ہو ہم کو جان سے پیزار دیکھ کر یہ کونسا نخل ہے بھلا ارباب بساط کا !
 دل پر محیط ہو کے تمہاری نگاہ نے اندازہ کر لیا ہے ہماری بساط کا
 بے خوف کاروبار محبت کئے چسو کیا ان معاملات میں کام احتیاط کا !
 کیا ہو گیا ہے ردِ عمل کے اصول کو کوئی ٹھکانہ بھی ہے مرے ان خطاط کا !
 رنج و خوشی کو کر دیا مخلوط اے عزم اور زیست نام رکھ دیا اس اختلاط کا !

تم ہو ہوس پرست کہ ہم دیکھا جائے گا ! الفت شمار دل کی قسم دیکھا جائے گا
 پہلے مری نگاہ کو کچھ کہہ کے آنکھ سے کرتے ہو اب نگاہ سے دم دیکھا جائیگا
 اُن کا تبسم اور نظر کس غور سے یہ کہہ رہے ہیں مل کے ہم دیکھا جائیگا !
 ہوتے ہو طعنہ دل مری وحشت پر آپ ہی خودے کے مجھ کو عشق کا غم دیکھا جائیگا !
 کس طرح اُس کی بزم میں تم آج کبھی جاتے نہیں جناب قدم ! دیکھا جائیگا !

آسان تھی نباہ مگر اب محال ہے ! وہ بھی مرا خیال تھا یہ بھی لٹیاں ہے !
 کتنی اُداس ہے مرے اُٹھ ! زندگی ! کیا دشمن پسند ماہ و سال ہے !
 ہومیرے دشمنوں کو جنوں عشق کا لگر !! دل میں کسی فتور کا کچھ حتمل ہے !!
 دام امید سے ہو رہا کس طرح لٹیر ! ولادہ مسرت خواب و خیال ہے !
 ہل بیٹھیں سہ او پھر مرنے پچھڑے ہوئے غول ! دم توڑتی امیدوں کا جینا محال ہے !
 یہ بدعا نہیں کہ نہیں تم پر اعتماد ! ہاں اک ذرا سی لغزش و ہم و خیال ہے
 کس کس پر اے ندیم ! توجہ کر لگا تو !! سارا جہان میری طرح پا ئمال ہے
 گر بس چلے تو عشق کا غم اسکو سوچ دیا اور مسکرا کے پوچھو گویا محال ہے !
 ہے شمع اشکبار عدم ! رات ہے اُداس ! دل مضمحل ہے اور طبیعت نڈھال ہے

دل ہے زندہ بس اسکی خبر نہ آؤ رنج ہو یا خوشی غنیمت ہے
 ہے توجہ کا یہ بھی اک انداز ! بے رنجی ہی سہی غنیمت ہے

خبطِ اظہارِ مدعانہ ہوا !! ایک دلکش گناہ تھا، نہ ہوا
 دے رہے تھے وہ پھر فریبِ نظر میں مگر اُن کا مہنوائہ ہوا
 اتّصالِ نگاہ سے پیدا کیا المناک سافانہ ہوا
 عشق پر وہ یقین نہیں کرتے عشق بھی گویا اک بہانہ ہوا
 چُن لیا جاوہ عشق نے اپنا عقل سے کوئی فیصلانہ ہوا
 ہے کسی کے کرم کی تفسیر شکر ہے آدمی حسانہ ہوا
 مانگ بیٹھے تھے ہم وعاکِ دن پھر کبھی ایسا حوصلانہ ہوا
 ترکِ اُمید و آرزو معلوم ! یہ جنوں دل کو کچھ نیا نہ ہوا
 اُن سے اک سہم و راہِ الفت تھی لیکن اس بات کو زمانہ ہوا !
 کیا برا تھا جو دوستی رہتی ! خیرہ جو کچھ ہوا، بُرا نہ ہوا
 آگے کیا کچھ ہوا تھا حُسابِ او آج اگر حسبِ مدعانہ ہوا
 اپنے معیار کا عدم دل میں ! ایک سجدہ تھا جو ادا نہ ہوا !

اک بیخودی ہوشربا چھائی ہے دل پر جذبات کی گھنا گھور گھٹا چھائی ہے دل پر
 تعبیر نہ کر موت کے دیوانوں کی چُپ کو !! خاموشی تسلیم و رضا چھائی ہے دل پر
 یہ روح کی گہرائی میں کیا راگ بھڑا ہے یہ گونج سی کیا میرے خدا! چھائی ہے دل پر
 یکسوئی کا عالم ہے کہ عرفان کا عالم !! محو تینواہام نما چھائی ہے دل پر!
 مدہوش فضا چاندنی رات اور لب جو !! اک مستی اندوہ ربا چھائی ہے دل پر

مکافاتِ عمل سے آشنا ہوں !! مگر جذبات میں گم ہو گیا ہوں !!
 مرے دل کو نہ جاتے کیا ہوا ہے کہ تم کو بے محابا دیکھتا ہوں !
 یہ دلبرداشتگی کی انتہا ہے ! گماں ہوتا ہے شاید مر گیا ہوں !
 نہیں ہے عشق بھی آزاد مذہب کہ میں پابند تسلیم و رضا ہوں !

جوانی ہو چکی ہے خستہ شید !

گناہوں سے جو میں اکتا گیا ہوں

شک

مجبوریوں پہ اشک بہانا کبھی کبھی
جرا سکے اور کیا ہے مرے اختیار میں !
امید باز یافت نہیں کوئے عشق سے
اے عقل ! اپنی راہ میں نہ کیا ذکر مجھے
گم ہو کے اپنی ذات میں دنیا کو چھوڑ دوں
چل جائے یہ فریب تو کیا چاہئے مجھے !
ڈوبے ہیں اپنی دھن میں اسیرانِ معرفت
لیکن خدا فریبِ خدا بن کے رہ گیا
جانے کدھر کو کھینچے لئے جا رہا ہے شوق
آگاہی معاملہ دلربا نہیں !
جھوٹی تسلیوں پہ بھی جی لینگے ہم مگر
خود مسکرا کے شرحِ فریبِ وفا نہ کر !
تم کو خبر نہیں مگر اک سادہ لوح نے
خود کو تمہارا ہی چاہ میں یکسر مٹا دیا !
کیوں وضع سے ہٹیں کہ چل ناگزیر ہے
غم اُس نے ہم کو ضبط سے گر کچھ سوا دیا !
کیا دیکھتے ہو منہ مرا احوال پوچھ کر
کیا مجھ سے کوئی سجدہ شکرانہ چاہئے
ہم چپ تھے اُس نے چھپ کر پھر کل کا تذکرہ
دل کو حریص لذتِ تکرار کر دیا ! !

صدائے دل کسی بیدار کو پسند نہیں! مذاق اتنا جہاں کا ابھی طبع نہیں
 خریدتے ہیں زمانے کا غم خسروائے وہ خوش نصیب ہیں کتنے جو ہوشمند نہیں!
 تو بندگی پر نہ عالم کراتے سخت قیود! کہ کوئی کہدے مجھے بندگی پسند نہیں
 خود اپنے طنز کی لذت بھی مٹ گئی غم سے ہوئے چپا ایسے کہ اب تاب نہ بخند نہیں
 بشر خود اپنی نگاہوں سے بھی غم گرجائے جہاں میں اس سے زیادہ کوئی گزند نہیں!

ادل سے درد بہ دل ہوں بھول بسر ہوئی! کہ اک غریب محبت زدہ بشر ہوں میں!
 ترے خیال میں گم ہو گیا ہے میرا وجود! مجھے کچھ اپنی خبر کیوں نہیں اگر ہوں میں!
 یہ کیا سمجھ کے غم عشق دے رہے ہو مجھے؟ یہ کس نے تم سے کہا صاحبِ جگر ہوں میں!
 ہر ایک سانس ہے تشریحِ دردِ دل صد جھپٹ! خود اپنے عشق کی رسوائیوں کا گھر ہوں میں!

ادل سے صنایعِ گردشِ بھنگی میری!!

یہ حیات کا چھوٹا سا اک بھنور ہوں میں!

خنک ہوا ہے، شبِ ماہ ہے، جوانی ہے؛ حیات کیا ہے، اک احساسِ شادمانی ہے
 بہشت کیا ہے، اک اُمید، دلریا امید؛ امید کیا ہے، خیالات کی جوانی ہے؛
 حدودِ ضبط میں ہیں تاہنوز زلیست کی غم خدا کا شکر ہے، دنیا کی مہربانی ہے؛
 یہ روزِ مرہ کے کچھ واقعاتِ شادی و غم مرے خدا! یہی انساں کی زندگی ہے؛
 فیضِ زندہ دلی ہے نشاطِ زندہ دلی عدم! شباب کا احساس ہی جوانی ہے

بہوتِ عشق کا حاصل ہے اس کو کیا کہئے؛ فنا سے کچھ تعبیر یا بقا کہئے؛
 یہ دروِ عشق کا آغازِ ناگہاں؛ کیا خوب؛ اس اتفاق کو قسمت کا فیصلہ کہئے؛
 مزاج اپنا بھلا کیا بتائیں دیوانے؛ کچھ آپ اپنی طبیعت کا ماجرا کہئے؛
 وہ ایک دردِ سا جو دل میں جوتا رہتا ہے؛ سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ اس کو کیا کہئے؛
 شبابِ فروسلاکِ شکن کی دنیا میں؛ روا ہے جس بہتِ رعنا کو بھی خدا کہئے؛
 پچھلنا شمع کا دیکھا ہے بار، لیکن عدم کی سوختہ جانی کا حال کیا کہئے؛

جفا کا لطف بہ اندازہ وقت نہ ملا ! ترے جہاں میں تو مرنے کا بھی مزا نہ ملا

نہ دل سے محو ہوئی آرزو نہ بر آئی ستم ظریفی فطرت کا مدعا نہ ملا !

کوئی ٹھکانہ ہے دنیا ترے حوادث کا کہ خود کو ڈھونڈنے نکلے مگر پتہ نہ ملا !

جنوں سوار تھا سر پر کہ پاؤں توڑ آئے کچھ اپنی منزلِ مہوم کا پتہ نہ ملا !

جناب شیخ ! یہ کیا اجرا ہوا آحسرا ! سنا ہے آپ کو کعبہ میں بھی خدا نہ ملا !

ابھی تو شکوہِ نایابی بشر ہے عدم ! ابھی یہ کس طرح کہہ دیں ہمیں خدا نہ ملا

اشعار

گرے نہ سجدے میں انسان بید لی سے کبھی اگر گرے تو سراپا نماز ہو جائے پڑ

تیری نگاہ کی گردش پہ ہے ہنوز نظر ! علاج گردشِ لیل و نہار کرونگا !

اٹھی تھی موت کہ چھا جائے بزمِ ہستی پر ذرا سا طیش مگر آگیا جوانی کو !

وہ ہم کو دیکھ کر آنکھوں میں مسکراہٹ دے دے ادائے پرشش حالِ تباہ خوب رہی !

سمارنا ہے کوئی غم بخود مرے دل میں سمجھ میں کچھ نہیں آنا کجا جبر کیا ہے
 کسی کے دل کی حقیقت کو جاننے کیلئے نگاہ والوں کی بس اک نگاہ کافی ہے
 دکھے دنوں کو نہ اس طرح پائمال کرو ! کبھی ہماری محبت کا بھی خیال کرو
 کہا ہے تم نے محبتِ احتمالات حواس تو کچھ علاج پریشانیِ خیال کرو
 ہر ایک علم کا انجام ہے یہاں حیرت ہر آگہی کی حقیقت سے آشنا ہوں میں
 کسی کے درپے کئے بارہا جوانی میں امیدِ دیم سے لبریز لطفِ نابھک
 مریحی میں امیدوں کا اختتام تو دیکھ یہ اور بات ہے انجامِ انکا حسرت ہے
 جوں پہ گزرتی رہتی ہے وہ دل پہ گزرتی گئے یہ راز کی باتیں ہیں نادان باتوں کی تشہیر نہ کر
 یہ اعتبار کر لیا ہے کس فریب کا پر کر بار بار سنس رہا ہوں اپنے اعتبار پر !
 تری کھوٹی دنیا میں ذیبا کے والی بس اک چیز یعنی محبت کھری ہے
 نہیں آہ بھرنے کو بھی چاہتا جی !! فسرہ دلی سہی فسرہ دلی ہے

اہل تواریک اتفاق ہے! اتفاق کا کچھ گلا نہیں ہے!
 وگرنہ جو ذی حیات ہیں اُن کی جستجو کو فنا نہیں ہے

حوادثِ روزگار دیکھیں ابھی دکھاتے ہیں اور کیا کیا
 ابھی تو اتنا سمجھ میں آیا ہے بکسوں کا خدا نہیں ہے

نیشہ قوتِ عمل ہے کس کشتی کی فداوشیں ہیں!
 دلعس یوں بے نیاز ہے دل کہ جیسے دستِ دعا نہیں ہے

اُٹھ! اے دل خستہ اپنی رگِ گم میں برقی قوت کو مرش کر
 سوائے اپنے جہاں میں کوئی کسی کا مشکلا کشا نہیں ہے

دکھے ہوئے دل کی التجا پڑو عا کو بھپس رہا تھا اٹھارہا ہوں !
 فریب مبتد کھا کے تفتدیر کو تماشا دکھارہا ہوں !

تسری نظر میں جھلک ہے الطاف کی مگر دل دہڑک رہا ہے
 کہ میں نظر مائے مہر پرور کی گردشیں دیکھتا رہا ہوں !

ہر ایک تحریر میں ہے ترسیم کی ضرورت، برکت حاجت
 نوشت قسمت کو حسن کو شش سے حسرت امتش بنارہا ہوں

میں اس لئے راستہ نہیں پوچھتا کہ منزل سے بے خبر ہوں
 یونہی ذرا سادہ لوحی راہبر سے اک لطف اٹھارہا ہوں !



Checked
1987

نگاہ اندوہناک، چہرہ اداس، دل بے قرار کیوں ہے !!

خبر نہیں اس قدر سزاوانی، غم روزگار کیوں ہے !!

وفا شعاروں پر، اوجھا کیش، بے دریغ اور بے محابا !

عنایتِ جانگذازیوں ہے، نوازشیں و لفکار کیوں ہے

آہستہ آہستہ دل کی آئینہ وار ہمدم !!

میں دم بخود ہوں کہ زندگی ایک ذلتِ ناگوار کیوں ہے

کبھی کبھی لب پہ آہی جاتا ہے آہ کے ساتھ نام تیرا !

خبر نہیں تیرا ذکر ٹوٹے ہوئے دلوں کا قرار کیوں ہے !

یہ زندگی خود بہت بڑا غم ہے، اے غمِ عشق دینے والے

یہ درد مندوں کے حال ہی پر نوازشِ بے شمار کیوں ہے

کہو عدم ! دل کا حال کیا ہے یہ کیسی چپ تم کو لگ گئی ہے

یہ ہر گھڑی آہ ! آہ ! اور بات بات میں اختصار کیوں ہے

راقم التحریف محمد رفیع
راولپنڈی